قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
اشاعت کا بہتّرواں سال
ماہنامہ

طلوعِ اسلام

دسمبر 2015ء
لاہور

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

اپنے میں حوصلہ پیدا کیجیے، موت سے خوف نہ کھایئے ہمارے مذہب نے یہی سکھایا ہے کہ ہمیشہ موت کے لیے تیار رہنا چاہیے، پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لیے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہیے، مسلمان کے لیے اس سے بہتر وسیلہءنجات اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ حق کی خاطر شہید کی موت مرے۔

(جلسہ عام لاہور۔30 اکتوبر 1947ء)

جلد 68 | شمارہ نمبر 12 | دسمبر 2015ء

ماہنامہ
طلوع اسلام
لاہور

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق، خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون	40 روپے فی پرچہ
پاکستان	-/450 روپے سالانہ
بیرون ملک	2500 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات	ادارہ	4
شرک کی غیر محسوس شکلیں	غلام احمد پرویز	6
اسلامی تاریخ کی گم شدہ کڑی	ترجمہ: شیخ اللہ دتا	8
پرویز صاحب کا نظریہ اسلامی مملکت (قسط سوم)	منظور حسین لیل	13
رُوداد ادارہ طلوع اسلام کنونشن 2015ء	ادارہ	32
معراج نبوی ﷺ کے دو رُخ	ادارہ	42
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی	خواجہ ازہر عباس	50

ENGLISH SECTION

Surah *Al-Takwir* (التکویر) – *Durus-al-Qur'an* By G.A.Parwez
Parah 30: Chapter 13 Translated by: Dr. Mansoor Alam 58

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code : NBPAPKKAA02L

National Bank of Pakistan Main Market, Gulbarg Lahore

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان)
فون: 042-35714546 E-mail: idarati@gmail.com

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

لمعات۔ادارہ

قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو

(امسال قائداعظمؒ کی سالگرہ کی مناسبت سے ہم قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو مکرّر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پیش کررہے ہیں جو مرحوم مقبول محمود فرحت کی تحقیق اور جستجو کے نتیجہ میں دستیاب ہوا ہے۔ یہ نایاب انٹرویو روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ 8 جنوری 1942ء میں شائع ہوا تھا۔ پاکستانیات کے طالب علموں اور دانش ور حضرات کے لئے بہت مفید اور مددگار ثابت ہوگا۔ مدیر)

نقل بمطابق روزنامہ انقلاب' 8 جنوری 1942ء

(سرورق اصل میں 8 دسمبر 1942ء غلط پرنٹ ہے تاہم لاہور میوزیم لائبریری نے اسے کاٹ کر 8 جنوری کیا ہوا ہے کیونکہ اندر کے تمام صفحات میں 8 جنوری کی تاریخ پرنٹ ہے۔)

(صفحہ نمبر 2 پر خبر)

مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ

پاکستان کے مسلمان کسی دوسرے اسلامی ملک کو دعوت نہیں دیں گے

مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کے متعلق قائداعظم کے ارشادات

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح حیدرآباد تشریف لائے تھے تو فوراً 19 اگست 1941ء کو راک لینڈ کے سرکاری مہمان خانے میں آپ نے طلباء اور دیگر نوجوانوں کو تبادلۂ خیالات کا موقع عنایت فرمایا تھا' باوجود علالت کے پون گھنٹہ سے زائد وہ حاضرین سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس موقع پر نواب بہادر یار جنگ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور بعض ہندو نوجوان بھی۔ قائداعظم نے مختلف سوالات کا خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ مسٹر محمود علی بی۔اے (عثمانیہ) نے اس مکالمہ کو سوال وجواب کی صورت میں حسب ذیل طریقہ سے مرتب کرلیا تھا اور اب قائداعظم کی سالگرہ کی تقریب سعید کے موقع پر اورینٹ پریس کو دے دیا ہے۔

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب: جب میں انگریزی زبان میں مذہب Religion کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے‘ میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی‘ سیاسی ہو یا معاشی‘ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔

سوال: اس سلسلے میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے باب میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اشتراکیت۔ بالشویت یا کئی اور ایسے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط‘ تناسب اور توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال: ترکی حکومت تو ایک مادی اسٹیٹ یا حکومت ہے۔ اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ترکی حکومت پر میری نظر میں سیکولر اسٹیٹ (مادی یا لازمی حکومت) کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز یہ صاف ظاہر ہے۔ حکومت کے تصور کا بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ ’’**اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے اس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی‘ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست‘ معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہتے ہوں بہرحال آپ کو سلطنت اور علاقہ کی ضرورت ہے۔**‘‘

(اورینٹ پریس‘ بحوالہ روزنامہ انقلاب لاہور‘ مورخہ 8 جنوری 1942ء)

ادارہ کا آفیشل فیس بک پیج

درجِ ذیل فیس بک پیج کو لائک (Like) کرنے سے آپ ادارہ کے متعلق تازہ خبریں، رپورٹس اور آن لائن رسالہ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ www.facebook.com/TalueIslam

ادارہ

شرک کی غیر محسوس شکلیں

ان محسوس شکلوں کے علاوہ، قرآنِ کریم شرک کی ایک ایسی شکل بیان کرتا ہے جسے انسان کی آنکھ بھانپ نہیں سکتی تھی۔ اس غیر محسوس شئے کو شرک قرار دینا صرف اس خدائے علیم و بصیر کا کام ہے جو دل کی گہرائیوں میں گزرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ فرمایا:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (25:43)

کیا تُو نے اس کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا اِلٰہ بنالیا۔ تو کیا تو اس کی نگرانی کر سکتا ہے؟

دوسری جگہ ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (45:23)

کیا تُو نے اس کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا اِلٰہ بنالیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانونِ خداوندی نے، اسے باوجود علم کے، گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں پر اور قلب پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی اللہ کے قانون کے مطابق ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیا تم پھر بھی نصیحت نہ حاصل کرو گے؟

ان آیاتِ مقدّسہ کو سامنے رکھئے اور پھر کسی عصرِ حاضر کی مہذّب دنیا پر نگاہ ڈالیے اور کبھی اپنے دل کے نرم ترین گوشوں کو ٹٹولیے اور دیکھئے کہ حقائق و بصائر کی کتنی دنیائیں اس ایک ٹکڑے کے اندر پوشیدہ ہیں۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ ایک سے زیادہ اِلٰہ مقرر کر لینے سے فساد رُونما ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ آج یہ جو ہر طرف فساد ہی فساد رونما ہو رہا ہے تو کیا اس کی یہی وجہ نہیں کہ ہر انسانی قلب، صنم کدہ بن رہا ہے؟ ہر گروہ اور ہر قوم اپنی اپنی خواہشات کو خدا بنائے بیٹھی ہے اور اس ''خدائے خواہشات و جذبات'' کے تغلب و تسلط میں جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رکھتی؟ جائز (بقول لینن ومیکیاولی) وہ ہے جس سے مقصد حاصل ہو جائے اور ناجائز وہ جو حصولِ مقاصد میں مُخل ہو۔ یہ ہیں وہ بُت جنہوں نے دنیا کو جہنّم بنا رکھا ہے۔ ان بُتوں کی تعمیر کسی سنگ تراش کے ہاں نہیں ہوتی، بلکہ یہ ذہنِ انسانی کے کارخانے میں ڈھلتے ہیں۔ ان کا مسکن کوئی مندر نہیں، قلبِ انسانی ہے۔ مال اور اولاد کا بت، عزّت و جاہ کا بُت، دولت و ثروت کا بُت، حکومت و سلطنت کا بُت، ملک و نسب کا بُت اور خدا جانے کون کون سے لات و منات اور کون کون سے ہبل و عزیٰ انسانی دماغ میں ہر آن تراشے جاتے ہیں۔

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر\
رست از یک بند تا اُفتاد در بندے دگر (اقبال)

(ہماری فکر ہر لمحہ ایک نیا خداوند تراشتی ہے۔ایک کی غلامی سے آزاد ہوتی ہے تو دوسرے کی قید میں جا پھنستی ہے۔ترجمہ: س۔ا)

یہ شرک کی وہ خوفناک اور بھیانک گھاٹی ہے جہاں سے پھسل کر انسان سیدھا ہلاکت اور بربادیوں کے ہولناک جہنّم میں جا گرتا ہے۔قرآن نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو، باوجود علم کے گمراہ ہوجاتے ہیں۔علم، حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے لیکن جب جذبات عقل پر غالب آجائیں اور خواہشات دماغ پر قابو پالیں، تو پھر علم و عقل کبھی صحیح راستہ نہیں دکھا سکتے۔اس مقام پر پہنچ کر انسان کے کان خطرات کی گھنٹیوں کی طرف سے بہرے ہوجاتے ہیں۔اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔اس کا قلب زنگ آلود ہوجاتا ہے اور وہ اپنے اعمال کے نتائج و عواقب کو نہیں دیکھ سکتا۔بقول برنارڈ شا ''یورپ جذبات کے دھارے پر بہے چلا جارہا ہے اور نہیں سوچتا کہ اس کا دہانہ کونسی ہلاکتوں کا سمندر ہے۔ ❶ ''یورپ میں علم کی کمی نہیں لیکن سارا علم اسی تگ ودو میں صرف ہورہا ہے کہ اپنے تغلّب اور دوسروں کی ہلاکت کے لئے کون کونسے طریقے سب سے زیادہ مؤثر اور سریع النفوذ ہوسکتے ہیں۔آج نوعِ انسانی پر خدا کی زمیں اس درجہ تنگ ہونے کی یہی وجہ ہے کہ علم، جذبات کے تابع چل رہا ہے۔انسان نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔علم اگر الٰہِ حقیقی اور ربُّ العالمین کے قوانین کے ماتحت جہانبانی کرے، تو یہی دوزخ جنّت بن جائے۔علم اس وقت بھی توپ اور بارود بنانے کی تراکیب سوچے گا، لیکن توپ بن جانے کے بعد اس کا رُخ انسانی مفاد پرستیوں کی رُو سے متعیّن نہیں ہوگا۔اس بات کا فیصلہ کہ توپ ظالم کا ظلم روکنے کے لیے استعمال کی جائیگی یا اس کا نشانہ کمزور اور ناتواں قوموں کا مسکن ہوگا، توپ بنانے والا نہیں کریگا، بلکہ کوئی اور قوّت کریگی۔یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو آسمانی ہدایت اور وحی کی ضرورت پڑتی ہے۔جب انسان اپنے علم کے ماحصل کو خدا کے قوانین کے ماتحت استعمال کریگا تو یہی علم جو آج انسانیت سوز بن رہا ہے، انسانیت ساز بن جائیگا اور اس وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔

اِلٰہِ حقیقی کی جو صفات گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آئی ہیں، ان پر ایک دفعہ پھر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا رہ جاتا ہے جس کے لئے کسی اور ''اِلٰہ'' کی تلاش رہے۔(1) زندگی بخشنے والا، (2) پرورش کرنے والا، (3) رزق دینے والا، (4) امن و سلامتی عطا فرمانے والا، (5) ہر وقت نگہبان، (6) بگڑی بنانے والا، (7) ہر معاملہ میں کار ساز، (8) وہ جس پر کامل بھروسہ کیا جاسکے، (9) جسے مایوسیوں میں پکارا جائے، (10) جس کے قبضہ میں نفع ونقصان ہو، (11) جو حاضر و غائب کا علم رکھتا ہو، (12) سب پر غالب، (13) عظمتوں کا مالک، (14) ہر عیب سے منزہ، (15) مالک الملک، (16) شہنشاہِ حقیقی، (17) جس کی زندگی کے لیے فنا نہ ہو، (18) جس کے سب محتاج ہوں۔کیا اس ہستی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی اس قابل ہے کہ اس کی عبودّیت اختیار کی جائے، اس کی محکومیّت تسلیم کی جائے، اس کے قوانین کے سامنے جھکا جائے؟ اس کے بعد سوچئے کہ لَآ اِلٰہَ کے کیا معنی ہیں؟

(مَن و یزداں صفحہ نمبر 44 سے 47 تک سے ایک اقتباس)

❶ برنارڈ شا نے یہ الفاظ جنگِ یورپ (1939ء) سے پہلے کہے تھے۔اس جنگ نے بتادیا کہ بربادی کا وہ کونسا سمندر ہے جس میں یورپ خود اپنے ہاتھوں غرق ہوا ہے۔مزید تفصیل ''انسان نے کیا سوچا'' میں ملے گی۔

ڈاکٹر منصور عالم۔ امریکہ

اسلامی تاریخ کی گم شدہ کڑی

یہ مضمون ''ماہنامہ طلوع اسلام'' کے اکتوبر 2015ء کے شمارہ میں انگریزی زبان میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں بیان کئے گئے افکار و خیالات کی اہمیت کے پیشِ نظر نیز قارئین کے اصرار پر اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ترجمہ کے لیے ہم محترم شیخ اللہ دتا صاحب کے شکر گزار ہیں۔

''یہ (حضرت) عمرؓ کا دس سالہ دورِ خلافت تھا جس کے دوران عربوں کو اہم ترین فتوحات حاصل ہوئیں۔'' یہ بات مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ''سو اہم شخصیات'' میں لکھی ہے۔ ''خلیفہ عمرؓ کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ میں سب سے بڑی وسعت کا حامل تھا۔ اس وسعت کی بقاء کے لیے، انہوں نے ایسی جدید انتظامی اصلاحات رائج کیں جو آج تک دنیا کی نظر سے نہیں گزریں۔ انہوں نے جو سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصلاحات مملکت کے معاملات کو چلانے کے لیے جاری کیں، وہ فعال پبلک ایڈمنسٹریشن کے لیے ماڈل بن گئیں۔ ایک قلیل مدت میں انہوں نے قدیم اور لازمی علاقائی انتظامی ڈھانچہ کو بے حد جدید اور اس وقت کی پوری دنیا میں قابلِ نفاذ شکل میں تبدیل کر دیا۔ ان کے دور میں لوگوں کو بنیادی انسانی حقوق و آزادیاں حاصل تھی جو اُس دور میں کہیں اور نظر نہ آتی تھیں۔ اگر ایک بڑھیا کسی پاداش کے خوف کے بغیر خلیفہ عمرؓ کو عوام کے سامنے تنقید کا نشانہ بنا سکتی ہے تو ان کے دورِ حکومت میں آزادی اظہار رائے کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔''

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (مختصر ایڈیشن میں) ریکارڈ پر لاتا ہے کہ خلیفہ عمرؓ کے فرمان بسلسلہ ''نفاذ محصولات، معاشرتی بہبود اور مملکت کا پورا اقتصادی اور تنظیمی نظام اور ڈھانچہ'' اور یہ کہ ''وہ اپنے عدل، معاشرتی اصلاح کے تصورات اور اخلاص و غیر جانبداری کے لیے نمایاں مقام رکھتے تھے۔''

ابو ہلال العسکری کی کتاب الاوائل اور طبری کی تاریخ کے مطابق (حضرت) عمرؓ کی شاندار ترقیات اور کارہائے نمایاں درج ذیل ہیں:

1۔ ہجری کیلنڈر کا اجرا

2۔ محکمۂ حرب کی تنظیم

3۔محفوظ عسکری افرادی قوت کو باقاعدہ تنخواہ دینا

4۔اراضی کے مالیاتی محکمہ کا قیام

5۔اراضی کا سروے اور ان کی حیثیت کا تعین

6۔مردم شماری کے محکمہ کا قیام

7۔صوبوں کا قیام اور ہر صوبے میں اضلاع کا تعین

8۔ٹیکسیشن اور کسٹمز کے محکموں کا قیام

9۔محکمہ پولیس کی تنظیم

10۔عسکری اہمیت کے مقامات پر فوجی چھاؤنیوں کا قیام

11۔مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کے آرام کے لیے ریسٹ ہاؤسز کا قیام

12۔بچوں کے لیے بہبود وظائف کا اجراء

13۔لاوارث بچوں کی محافظت اور نشوونما کا انتظام۔

14۔(مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے) غلامی کو ممنوع قرار دینا۔

15۔یہودیوں اور عیسائیوں کے غربا اور ناداروں کے لیے وظائف کا اجراء

16۔محکمہ عوامی تعلیم کا قیام

17۔نہروں اور بندوں کے سسٹم کا بہتر بندوبست

18۔نئے شہروں اور عوامی شاہراہوں کا قیام وترقی۔

ان محکموں کے معاملات کو عمدہ اور مؤثر طریق پر چلانے کے لیے خلیفہ عمرؓ نے (جو موجودہ دور میں معروف ہے) حکومتی سیکرٹیریٹ قائم کیا۔ ہر سرکاری محکمہ کا اس سیکرٹیریٹ میں ایک دفتر تھا جہاں مملکتی معاملات کے متعلق الگ ریکارڈ اور رجسٹر رکھے جاتے تھے۔ حکومت کے جملہ کاروبار کو تحریری ریکارڈ کے ذریعے منضبط کیا جاتا تھا۔ تحریری یادداشتیں باقاعدہ طور پر خلیفہ کی طرف سے سرکاری عہدہ داروں (منجملہ صوبائی گورنروں) کو جاری کی جاتی تھیں۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ، باہمی گفت وشنید کے بعد اقرار ناموں، میثاقوں اور معاہدات کو طے کیا جاتا تھا اور ان دفاتر میں ان کے متون کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔

لیکن اس موقع پر ایک امر خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔

اسلامی ریاست کا قیام جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ خلیفہ ابوبکرؓ کے دور میں مزید پھیل گیا اور خلیفہ عمرؓ

کے زمانہ میں قریباً 2.5 ملین مربع میل تک پہنچ گیا۔اس سارے دوران (اور خلیفہ عثمانؓ کے دور میں بھی) مدینہ منورہ اسلامی ریاست کا مرکز رہا۔ مذکورہ بالا سیکرٹیریٹ منجملہ اس کے سب دفاتر بھی مدینہ ہی میں رہے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ اس زمانہ کا اصلی تحریری ریکارڈ آج کسی جگہ نہیں ملتا؟

تاریخی ریکارڈ کے مطابق مدینہ منورہ، قدرتی آفات سے محفوظ رہا اور زلزلہ اور آتش زدگی سے محفوظ چلا آرہا ہے۔اس کے علاوہ کسی بھی ایسی تباہی کا ریکارڈ نہ ہے جو اس قدر نمایاں معلوماتی ذخیرہ کی بربادی کا باعث بنی ہو۔

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مدینہ منورہ صلیبی افواج کے زیر کنٹرول آیا ہو یا کسی ایسے واقعہ کا شکار ہوا ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ کیوں یہ تحریری ریکارڈ گم ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج کے دن تک مدینہ مسلسل مسلمانوں کے کنٹرول میں رہا۔ وہ بھی ایک ایسی سرزمین میں جو محفوظ و محترم رہی ہے۔ ان حالات میں یہ جاننا پریشان کن ہے کہ کس طرح ممکن ہوا کہ ان تحریرات کا آج کوئی پتہ نہیں ملتا۔ سب نوشتوں اور دستاویزات کے ساتھ کیا گزری۔ انہیں کون لے گیا۔ انہیں کہاں ضائع کیا گیا اور اگر ایسا ہوا ہے تو کیوں؟

وہ تاریخ نویس جنہوں نے اس دور کے کچھ ریکارڈ کی تنقیحات پیش کی ہیں۔انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے اصل ریکارڈ کہاں دیکھا یا ان پر کیا گزری۔ ہماری تاریخ کی کتابوں میں اصل ریکارڈ اور نوشتوں کی نشاندہی کے بارے میں تذکرہ نہیں ملتا۔

ابتدائی تاریخ نویس مثلاً ابن ہشام (وفات 833ھ) اور امام طبری (وفات 923ھ) نے کوشش کی ہے کہ روایت کی معتبر حیثیت کا انکشاف کریں لیکن انہیں حوالہ کے لیے مستند دستاویزات میسر نہ آئیں۔ جامعینِ حدیث، مثلاً امام بخاری (وفات 870ھ) انہوں نے انتہائی کوشش کی (ان کے اپنے بیان کے مطابق) کہ اپنی کتابوں کے لیے اصل مواد تلاش کریں۔ محتاط توجہ اور مستقل مزاجی سے کام کرنے والے محققین نے دور دراز مقامات کے سفر کیے اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں سے ملاقات کی۔ اگر کسی جگہ تحریری ریکارڈ مہیا ہو سکتے تو یہ توقع رکھنا قابل فہم ہے کہ انہیں وہ مل گئے ہوتے۔ پس یہ ظاہر ہے اور اسے جاننا بجا کہ اس وقت کوئی اصل ریکارڈ موجود نہیں پایا گیا۔ لہٰذا ابتدائی تاریخ نویسوں نے اپنی کتابوں کی تدوین میں صرف زبانی روایات پر اکتفا کیا (ان حالات کے باوجود، یہ امر تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں تاریخ کی کتابوں میں، دوران جنگ دو فوجیوں کے درمیان لفظ بہ لفظ باہم مکالمہ کی تفصیل ملتی ہے اگرچہ ان فوجیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہا تھا)۔

اصلی تحریری دستاویزات جو کبھی لازماً موجود تھیں، ایک قیمتی تاریخی خزانہ تھیں جن کا تعلق ابتدائی اسلامی تاریخ کے دوران قائم عملی نظیروں کے ساتھ بڑا گہرا تھا۔ ان قیمتی ریکارڈوں کو مسلم امۃ کے لئے ایک مقدس ٹرسٹ کی حیثیت سے محفوظ کیا جانا چاہیے تھا۔ یہ ریکارڈ ایک صحیح اسلامی مملکت کے قیام و انتظام کے لیے راہنما اور بنیادی خاکہ ثابت ہوتا۔ یہ دستاویزات ان

کے لیے جو اسلام کی بنیادی حیثیت کو تبدیل کرنا چاہتے، ایک قابل قدر مزاحمت اور سدِّ راہ کا کام دیتیں۔

ابتدائی اسلامی اندازِ حکمرانی کے لازمی ریکارڈ کا ناقابلِ توضیح نقصان، ان سوالات کو جنم دیتا ہے جو ضروری طور پر زیرِ غور آنے چاہئیں۔ کیا اس وقت کے معاشرہ میں ایسے مسلمان موجود تھے جو اسلام کے سیاسی اور معاشی ڈھانچے کو تبدیل کر دینا چاہتے تھے اور جنہوں نے محسوس کیا کہ ان کی مطلوبہ تبدیلیاں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ دستاویزات موجود ہیں جو ابتدائی اسلامی نظیر کا تعین کرتی ہیں۔ کیا مسلمان ملوک اسلام کے نام پر کمینگی اور دنائیت کے ساتھ حکمرانی کر سکتے اگر وہ ریکارڈ موجود ہوتا جس نے ایک مخصوص رخِ معیار کا تعین کر دیا تھا؟ کیا اسلامی اصولِ حکمرانی میں ترحم و بربادی کا رویہ جو خلیفہ عمرؓ نے اختیار و قائم کیا، مطلق العنان طاقت حاصل کرنے والوں کے لیے کوئی زحمت بداماں سنگِ راہ تھا؟

اگر بعد میں آنے والے کسی حکمران یا علماء کی چاہت تھی کہ عوام کو اپنے حکم کے مطابق چلائیں مثلاً عوام پر مذہبی رسومات کا غیر معقول و متجاوز نفاذ کرنا، تو ان دستاویزات کی موجودگی جو معاشرہ کے فطری اعتدال کی وضاحت کرتی تھیں، حضور اکرمؐ کے اسوہ سے انحراف سے مانع ہوتی۔ تاہم اس اصلی ریکارڈ کے بغیر کوئی شہادت پیش نہ کی جاسکتی تھی جو کسی طالع آزما لیڈر کو ضابطہ کے غلط استعمال یا جدیدیت/بدعات کے معاشرہ میں نفاذ سے روک سکتی۔ کس چیز نے ان غیر یقینی اظہارِ تغیرات کی راہ ہموار کی؟ کونسی تباہی، دسیسہ کاری، ڈھونگ یا المیہ اس راز سے پردہ اٹھا سکے گا۔

یہ سارے سوالات ہمارے لیے لائق اعتناء ہیں۔ اس کے باوجود، حیران کن طور پر ہمارے پاس فرصت نہیں کہ ہم تحقیق کریں کہ ہماری تاریخ میں اس گم شدہ کڑی کے نہ ملنے سے کیا ضروری فرق پڑتا ہے۔ اگرچہ کچھ مستشرقین ہیں جنہوں نے اس گم شدگی کے راز کو قابل توجہ سمجھا۔ مسلمان محض روایات کے دہرانے پر مطمئن بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ سارے متعلقہ ریکارڈوں اور ابتدائی اسلام کے تاریخی حوالوں کی تلاش پر آمادہ ہوں یا اصلی پیغام کی طرف لوٹتے ہوئے جدید معاشرتی اخلاقی نظام و فلسفہ کو وجود میں لائیں۔ یہ ایک حوصلہ شکن بات ہے کہ ہمارے تاریخ دانوں اور شریعت پسندوں کی اکثریت ان زبانی روایات کو جنہوں نے ہماری تاریخ کو یکسر تبدیل کر دیا، صرف دہرائے چلے جانے کا ارادہ رکھتی ہے جبکہ انہیں مصدقہ باقیات کی دریافت کے لیے تحقیق کرنا چاہئے جو ہماری مقدس امانت کے کام آسکے۔

ماہرین آثارِ قدیمہ نے قدیم بابل اور نینوا کے کھنڈرات سے حمورابی کا قانون دریافت کر لیا ہے۔ وہ پتھروں اور فرعونوں کے مقبروں کی دیواروں پر کندہ تحریروں سے قدیم مصر کی تہذیب کو دریافت کرنے میں مصروف ہیں۔ تاریخ دانوں نے بحرِ مردار سے قبلِ مسیح کے طومار نکال لیے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے (اسلامی مملکت کے انداز حکمرانی) کے بارے میں کوئی ایک تحریری دستاویز یا مخطوطہ ابھی تک مدینہ سے جو اسلام کا ابتدائی مرکز رہا ہے، دریافت نہیں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

چند خطوط جو ہمارے لیے قابلِ توجہ ہیں، وہ ہمارے پاس مدینہ سے باہر غیر مسلموں کے مقبوضہ علاقوں سے دستیاب ہوئے ہیں۔

جہاں تک ہمارے خیال کا تعلق ہے کسی تاریخ دان نے خلیفہ عمرؓ کے دور کی اصل تحریری دستاویزات کو معلوم کرنے کے بارے میں کبھی کوئی تفتیش نہیں کی۔ کیا یہ تفتیش ہماری توجہ کی مستحق نہیں؟ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ خلیفہ عمرؓ نے ایک حکومت کے چلانے کے لیے ایسے عمدہ معیاروں کا تعین کیا جو اچھی حکمرانی کے لیے غیر مسلموں کے نزدیک بالعموم مثالی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ (گاندھی نے اکثر خلیفہ عمرؓ کے دورِ حکومت کو اچھی حکمرانی کے لیے نمونہ قرار دیا)۔

ذرا سوچیئے کہ اگر اصل دستاویزات محفوظ کر دیئے جاتے تو ہمارے لیے کتنا فرق پڑ جاتا۔ یہ ہمارے لیے اسلامی طریقِ حکمرانی کے متعین کرنے میں مدد و معاون ہوتا۔ یہ نہ ختم ہونے والے فرقہ وارانہ دلائل کے حل میں اور کیا اسلامی شریعت کے مطابق ہے یا کیا ایسا نہیں ہے، کے طے کرنے میں مدد دیتا۔ مزید یہ کہ سیکولر بمقابلہ اعتدال پسند حکومتِ اسلامی کی اشکال کے گرد گھومنے والے اختلافات کو دور کر سکتا۔

خلیفہ عمرؓ نے جو اصل دستاویزات ہماری حفاظت میں چھوڑے، ان کے بے شمار فوائد کے مدنظر اگر وہ ہم سے پوچھیں کہ انہوں نے ایک عادل اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جو عمدہ طور پر مرتب کردہ اور سوچ سمجھ کر حکمرانی کا نظام تحریری طور پر محفوظ کیا تھا، اس کے ساتھ کیا گزری؟ تو ہمارا جواب کیا ہوگا؟

ENJOY YOUR STAY AT

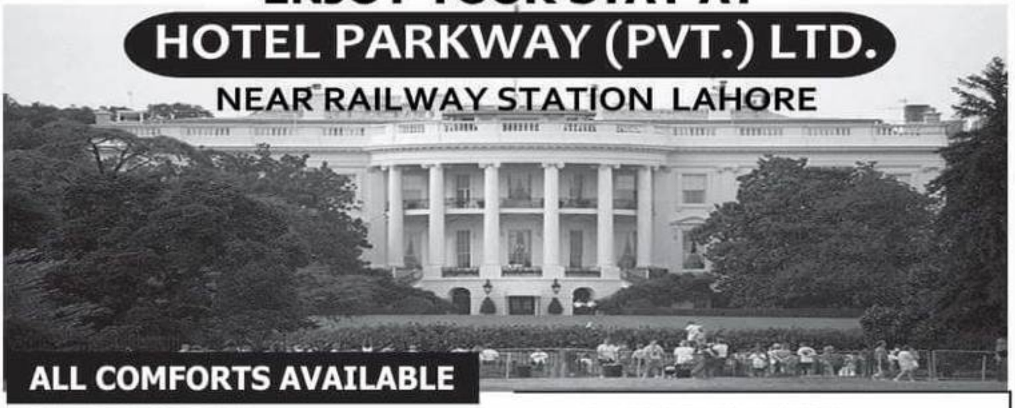

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

ملک منظور حسین لیل ۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

(قسط سوم)

پرویز صاحب کا نظریہءِ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (47۔45۔44/5)۔

دین کے تمکن کا نتیجہ:

طلوع اسلام جنوری 1978ء ص۔12:۔''دین کے تمکن کا نتیجہ کیا ہوگا؟۔اس سے حاصل کیا ہوگا۔جو مملکت، دین کی حفاظت کے لئے قائم ہوگی، اس میں افرادِ انسانیہ کی کیفیت کیا ہوگی؟۔قرآن مجید نے ایسے وسیع سوال کا جواب، دو لفظوں میں دے دیا جب فرمایا کہ:۔وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (24:55) اس سے، ان کا خوف، امن میں بدل جائے گا۔آپ نے غور فرمایا کہ قرآن مجید نے ان دو لفظوں میں، اتنی بسیط حقیقت کو کس طرح سمٹا کر رکھ دیا ہے۔دنیا میں انسان چاہتا کیا ہے؟۔امن۔۔۔یعنی ہر قسم کے خوف اور ڈر سے مامونیت (security) کی پوری پوری ضمانت۔انسان، جب خوف سے مامون ہو جائے تو پھر اس کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔سارا قرآن، اس ایک نکتہ کی تفصیل سے بھرا پڑا ہے کہ قرآنی معاشرہ میں کس طرح ہر فرد، خوف سے مامون ہوتا ہے، اور اس کی انسانی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ خوف کی وجہ کیا ہوتی ہے؟۔اس کا ایک لفظ میں جواب ہے۔۔احتیاج!:۔

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج و احتیاج و احتیاج

ملوکیت میں، صاحبِ اقتدار طبقہ، رزق کے سر چشموں کو اپنے قبضہ میں لے کر، افرادِ معاشرہ کو اُن کا محتاج بنا دیتا ہے جس سے وہ ان کا ہر حکم ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔خلافت میں کوئی فرد، کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔اور جب محتاج نہیں ہوتا، تو کسی کا محکوم بھی نہیں ہوتا۔علامہ اقبالؒ نے نظامِ خلافت کی خصوصیت دو مصرعوں میں نہایت جامعیت سے بیان کر دی ہے، جہاں کہا ہے کہ:۔ع:۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

سائل ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی اپنی محنت کا ماحصل اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی نہ ہو، اس لئے وہ بقایا ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ اور محروم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنی روٹی کمانے سے معذور ہو۔ خلافت (یا قرآنی مملکت) ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری خود لیتی ہے اس لئے اس میں نہ کوئی فرد سائل ہوتا ہے، نہ محروم۔ جب کوئی شخص اپنی ضروریات کے لئے کسی کا دست نگر نہ ہو، تو وہ کسی دوسرے کا حکم ماننے پر بھی مجبور نہیں ہوگا۔ لہٰذا، اس معاشرہ میں نہ کوئی کسی کا غلام ہوگا، نہ کوئی کسی کا آقا۔ نہ کوئی حاکم ہوگا، نہ محکوم۔۔۔ اور جب، نہ کوئی کسی کا محتاج ہوگا نہ محکوم تو انسان کے دل سے دوسرے انسانوں کا خوف خودبخود جاتا رہے گا۔

تمیزِ بندہ و آقا:

اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نظام میں حاکم و محکوم کی تمیز کس طرح ختم ہوگی۔ جب مملکت ہوگی تو اس میں حکومت بھی ہوگی۔ اور جب حکومت ہوگی تو اس میں حاکم بھی ہوں گے اور محکوم بھی۔ پھر یہ تفریق کس طرح سے مٹ سکے گی۔ حاکم اور محکوم کی تفریق کے بغیر حکومت کیسے قائم ہوگی؟۔۔ خلافت کی یہ وہ منفرد خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی اور نظام میں ممکن ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ حاکم کسے کہتے ہیں؟۔ اس کا جواب یہ ہے۔۔ جس کے حکم کی تعمیل یا اطاعت کی جائے۔۔ شخصی حکومت میں، اطاعت صاحبِ اقتدار کے حکم کی جاتی ہے۔ دورِ حاضرہ میں اطاعت ان قوانین کی کی جاتی ہے، جنہیں، صاحبِ اقتدار طبقہ وضع کرتا ہے۔

محکومیت صرف خدا کی:

خلافت میں حکم دینے یا قوانین وضع کرنے کا اختیار کسی انسان (یا انسانوں کی جماعت) کو حاصل ہی نہیں ہوتا۔ یہ اختیار صرف خدا کو ہوتا ہے ۔۔۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے آیہء استخلاف کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا:۔ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (24:55)۔ دین کے اس تمکن (مملکت) کا مقصد یہ ہے کہ لوگ صرف خدا کی محکومت اختیار کریں۔ اور اس میں کسی انسان کے حکم کو شریک نہ کیا کریں۔۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' سے مفہوم ہی خدا کی محکومیت یا اطاعت اختیار کرنا ہے۔ مثلاً اس نے سورہء کہف میں کہا کہ:۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (18:110)۔ انسان کو چاہیئے کہ خدا کی ''عبادت'' میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اور دوسری جگہ یہ کہہ کر اس کی وضاحت کردی کہ:۔ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (18:26)۔ خدا اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔۔ اس سے قرآن مجید نے خود واضح کردیا کہ ''خدا کی عبادت کرنے'' سے مفہوم اس کی محکومیت یا اطاعت اختیار کرنا ہے۔ سورہء یوسف میں پہلے کہا کہ:۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (12:40)۔ یاد رکھو! حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ اور اس کے بعد کہا کہ: أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ اس نے حکم دیا

ہے کہ اس کے سوا کسی کی ''عبادت'' نہ کی جائے۔ظاہر ہے کہ یہاں ''عبادت'' کے معنی ''اللہ کے حکم کی اطاعت یا خدا کی محکومیت اختیار کرنا'' ہیں۔

عبادت کا مفہوم:

اس کے بعد کہا کہ:۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (12:40)۔یہ ہے دینِ قیم،محکم نظامِ مملکت۔۔اس سے واضح ہے کہ ملوکیت میں،انسانوں کے احکام (یا قوانین) کی اطاعت کی جاتی ہے۔اور خلافت میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوتی ہے۔اسی کو خدا کی عبادت (محکومیت) کہا جاتا ہے۔اگر کسی مملکت میں انسانوں کے احکام یا قوانین کی اطاعت کی جائے تو وہاں دین کا تمکن نہیں ہوتا۔دین کے تمکن کے معنی ہیں،حکومتِ خداوندی کا قیام۔۔۔اس کے بعد یہ اہم سوال سامنے آتا ہے کہ محکومیت تو کسی محسوس اتھارٹی کی کی جاتی ہے۔۔لیکن خدا کی ہستی محسوس نہیں۔۔اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں،نہ اس کی آواز سن سکتے ہیں۔۔پھر اس کی محکومیت کیسے اختیار کی جائے گی۔اس کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔اس کا نہایت واضح جواب،اللہ تعالیٰ نے خود ہی دے دیا۔فرمایا:۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (6:114)۔۔۔(اے رسول!ان سے کہو کہ) کیا تم چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی ''محکومیت'' اختیار کر لوں۔جبکہ اس نے تمہاری طرف اپنا وہ ''ضابطۂ قوانین'' نازل کر دیا ہے جو ہر بات کو نکھار اور ابھار کر نہایت وضاحت سے بیان کر دیتا ہے۔

قوانینِ خداوندی کی حکومت:

اس سے واضح ہے کہ خدا کی محکومیت،اس کی کتاب کی اطاعت،کی رو سے کی جاتی ہے۔یہ عجیب حقیقت ہے کہ دورِ قدیم میں تو اطاعت اس اتھارٹی کی کی جاتی تھی جو (بادشاہ کی شکل میں) محسوس طور پر سامنے ہوتی تھی۔لیکن اس زمانے میں،حکم دینے والی اتھارٹی محسوس شکل میں سامنے نہیں ہوتی۔اطاعت اس کے قوانین کی کی جاتی ہے۔قانون کی حکومت (Rule of the law) کا نظریہ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دے دیا تھا۔۔۔لہٰذا،خلافت اور ملوکیت میں اگلا فرق یہ ہوا کہ خلافت میں اطاعت،قوانینِ خداوندی کی کی جاتی ہے۔۔اور ملوکیت میں ان قوانین کی،جو انسانوں کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔خلافت میں ''صاحبِ اقتدار'' طبقہ کا فریضہ احکام وقوانینِ خداوندی کا نافذ کرنا ہوتا ہے۔قوانین وضع کرنا نہیں۔اسی لئے اور تو اور،خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا گیا کہ:۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48)۔تم ان کے نزاعی امور کے فیصلے خدا کی کتاب کی رو سے کرو۔(جسٹس بی۔زیڈ۔کیکاؤس جو کہ متحدہ محاذ والوں کے سرگرم مؤید تھے،نے لکھا کہ۔''اسلام میں قانون سازی کا اختیار سرے سے ہوتا ہی نہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذرہ برابر قانون سازی کا اختیار نہیں

تھا''۔بحوالہ۔اسلامی جمہوریہ۔21 تا 27۔نومبر 1977ء۔ص۔37)۔اور اسی کو کفر و ایمان میں حدِ فاصل اور خطِ امتیاز قرار دیا گیا، جہاں کہا کہ:وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ(5:44)۔''جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔'' اسی بناء پر آیہء استخلاف کے آخر میں فرمایا کہ:۔وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (24:55)۔''جو لوگ اس قدر واضح ہدایت کے بعد کفر اختیار کر لیں۔(یعنی،قوانین خداوندی کی بجائے انسانی قوانین کی محکومیت اختیار کریں)تو وہ اس قالب(Pattern) سے نکل جائیں گے،جس میں رہتے ہوئے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے(فسق کے بنیادی معنی یہی ہیں)۔یہ ہے خلافت اور ملوکیت میں فرق۔حکومتِ خداوندی اور انسانی حکومت میں خطِ امتیاز۔ہمارے دور میں انسانوں کی حکومت کو سیکولر اسٹیٹ کہا جاتا ہے، خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو۔''

حاکمیت کتاب اللہ کی:

طلوعِ اسلام اگست 1977ء،ص:22:''قرآن نے کہا کہ خدا کی حکومت، خدا کی کتاب(یعنی قرآن کریم) کے ذریعے قائم ہوگی۔جس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔کیونکہ خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کیا کرتا۔یہ اس کی کتاب کے اندر محفوظ ہیں۔اس حقیقت کی وضاحت کے لئے خود زبان نبوی ﷺ سے کہلوایا گیا کہ:۔(مفہوم)۔''کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور''حاکم'' کی طلب و جستجو کروں۔حالانکہ اس نے''اپنی کتاب'' نازل کر دی ہے جو مفصل ہے۔''(6:115)۔یہاں سے دو باتیں واضح ہوگئیں۔ایک یہ کہ تھیا کریسی اس لئے وجود میں آئی تھی کہ خدا کی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں تھی، جو ضابطہء زندگی بن سکتی۔(انجیل میں قوانین ہیں ہی نہیں)۔اس لئے جب خدا کی حکومت کا اصول تسلیم کر لیا جاتا تھا تو اس کے بعد لوگوں کو لازماً مذہبی پیشوائیت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔دوسرے یہ کہ اس حقیقت کا اعلان خود ذات رسالتمآب ﷺ سے کرانے میں حکمت یہ تھی کہ دنیا میں اگر کوئی انسان خدا کا نمائندہ بن سکتا تھا تو اس کا اولین حق بہرحال رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا تھا۔جب حضور ﷺ نے بھی یہ فرمادیا کہ خدا کی حکومت کے معنی اس کی کتاب کی حکومت ہے تو انسانی نمائندگی یا خدائی اختیارات کی تفویض کا نظریہ خود بخود باطل قرار پا گیا۔اس نظریہ کی رو سے حکومت، خدا کی کتاب کے احکام و قوانین نافذ کرنے کی ایجنسی قرار پا گئی۔اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہ رہی۔اس نظریہ کی صداقت کا تسلیم کر لینا، ایمان قرار پایا۔اور اس سے انکار، کفر۔سورہء مائدہ میں ہے۔(مفہوم)۔''جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی کافر ہیں۔''(5:44)۔اور اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ سے فرمادیا گیا کہ:۔(مفہوم)۔''ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو۔''(5:49)۔''۔۔(''تفویض اختیارات''۔جو کہ چرچ کا عقیدہ ہے۔اور''پارلیمنٹ کی

برتری کے غلط عقیدہ'' کے بارے میں وضاحت، مذہبی پیشوائیت کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔مئولف)۔

اطاعت صرف کتاب اللہ کی:

طلوع اسلام اگست 1977ء،ص:25،''اطاعت درحقیقت کتاب اللہ کی ہے۔نظامِ مملکتِ اسلامیہ اس کی اطاعت کرانے کا عملی ذریعہ ہے۔اس نظام میں اپنی اطاعت کوئی بھی نہیں کراسکتا۔۔۔نہ کوئی ایک فرد، نہ افراد کا مجموعہ۔سورہ ءآل عمران میں اس حقیقت کو واضح تر الفاظ میں بیان کردیا گیا ہے، جہاں کہا ہے کہ،(مفہوم)۔''کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔۔خواہ خدا،اسے ضابطہءقوانین یا حکومت یا نبوت ہی کیوں نہ عطا کردے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں، میرے محکوم بن جاوٗ۔اسے یہی کہنا چاہیئے کہ تم اس کتاب کی اطاعت کے ذریعے، جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو،اور سمجھتے سمجھاتے ہو۔اللہ کے محکوم(ربّانی) بن جاوٗ۔'' (3:78)

خدا کی حکومت:

طلوع اسلام 1984ء،ص:۵۵،''شرک،انسانوں کی حکمرانی کا نام ہے۔اسی لئے قرآن کریم نے،خدا کی متعین کردہ حدود پر قائم شدہ نظامِ حکومت کی بنیادی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ:۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (2:38)۔اس میں کسی کو کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں ہوگا۔۔۔سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے انسانوں کی حکومت کو مردود قرار دے دیا،تو اس سے کیا یہ مراد ہے کہ وہ انسانی دنیا کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں سمجھتا؟۔۔بات یہ نہیں۔۔وہ حکومت کو ضروری قرار دیتا ہے،لیکن ''خدا کی حکومت'' کو۔۔: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (12:40)۔یادرکھو!حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔وہ اپنے اس حقِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔: وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (18:26)۔لیکن خدا تو غیر مرئی اور غیر محسوس ہستی ہے۔غیر مرئی اور غیر محسوس تو ایک طرف۔اس کی ذات تو کسی کے تصور تک میں نہیں آسکتی۔تو پھر اس کی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟۔اس نے کہا کہ ہماری حکومت سے مراد،اس کتاب کی حکمرانی ہے جسے ہم نے وحی کے ذریعہ نازل کیا ہے۔اس نے جملہ انبیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ (2:213)۔۔خدا نے ان انبیاء کے ساتھ الکتاب(ضابطہءقوانین) نازل کیا تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کے اختلافی امور کے فیصلے کیا کریں۔۔شخصیت کی بجائے،قانون کی حکمرانی کا تصور،انسان کو کن بلندیوں پر لے جاتا ہے،اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے!۔اور پھر قانون بھی وہ، جو کسی انسان کا وضع کردہ نہ ہو۔

قانونِ خداوندی کی حکمرانی:

اسلام میں بلندترین اور عظیم ترین شخصیت، حضور نبی اکرم ﷺ کی ہے۔خدا نے حضور ﷺ کو بھی یہ حکم دیا کہ:۔اے

رسول! تم لوگوں کے اختلافی امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کیا کرو(5:48)۔۔۔سر براہِ مملکت، بلکہ یوں کہئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کتاب کا اتباع کرتے تھے(6:50۔7:2-3)،اوراس کی خلاف ورزی کوخود اپنے لئے بھی مستوجب سزا اقرار دیتے تھے(10:15)۔حقِ مطلق،اقتدار اعلیٰ(Sovereignty)بھی اسی کتاب کوحاصل تھا،مملکت یاسربراہِ مملکت کونہیں۔(Sovereignty) کی تعریف یہ کی جاتی ہے۔(Accountability to none)۔جوکسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔کوئی اس سے باز پرس نہ کر سکے۔قرآن مجید نے دوٹوک فیصلہ کردیا کہ:۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (21:23)۔صرف خدا کی ذات ایسی ہے جوکسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔باقی سب جواب دہ ہیں۔اس سے کتاب اللہ کی حکمرانی کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔اس کتاب میں دیئے گئے احکام واصول واقدار کے متعلق کہا کہ:۔تیرے رب کے کلمات(احکام وقوانین) صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا(6:116)۔حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں۔فرمایا:اے رسول!۔ان سے کہہ دو کہ مجھے بھی اس کا کوئی اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کتاب میں کسی قسم کا ردوبدل کرسکوں(10:15)۔۔اس کتاب کا اطلاق تمام قوموں پر،اور تمام زمانوں میں ہوگا۔اس لئے اسے:۔ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (38:87) کہا گیا ہے۔یعنی تمام اقوامِ عالم کے لئے ضابطہ ہدایت۔''

حکومت کتاب اللہ کی:

طلوعِ اسلام دسمبر 1983ء،ص:10،''خدا تو ایسی غیر محسوس،غیر مرئی ہستی ہے جو ہمارے خیال اور قیاس تک میں نہیں آ سکتی۔وہ نہ کبھی کسی کے سامنے آتا ہے،نہ ہم سے بات کرتا ہے،اس کی حکومت کس طرح قائم ہوگی؟۔اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی عظیم حقیقت بیان کی ہے جس نے دنیائے سیاست میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔دنیا میں حکومتیں اشخاص کے ذریعے قائم ہوتی تھیں۔اس نے کہا کہ اب اشخاص کا زمانہ لد گیا۔اب حکمرانی قانون کی ہوگی۔جس کا قانون رائج ہوگا،حکومت اس کی سمجھی جائے گی۔لہٰذا،اسلامی مملکت میں حکمرانی خدا کے قوانین کی ہوگی جنہیں اس نے اپنی کتاب(قرآن مجید) میں محفوظ کر کے دنیا کو دے دیا ہے۔اب، اسلامی اور غیر اسلامی حکومت ہی کا نہیں،اسلام اور کفر،مومن اور کافر کا بھی یہی معیارِ امتیاز ہے۔خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ:۔(ترجمہ)۔''جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے،انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔''(5:44)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا کہ:۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48)۔''ان کے معاملات کے فیصلے خدا کی کتاب کے مطابق کیا کرو۔''بالفاظِ دیگر،اسلامی مملکت،قوانینِ خداوندی کے نافذ کرنے کی ایجنسی ہوگی۔۔۔(ضمناً) اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ حکمرانی قانون کی ہوگی،نہ کہ اشخاص کی،''شخصی خدا''(Personal God) کے تصور کو بھی ختم کر دیا۔اس نے اپنے ضابطہ

قوانین (قرآن) کے متعلق کہہ دیا کہ یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔ اور اس کے ساتھ محفوظ بھی۔ اس حقیقت کی بھی وضاحت کردی کہ اب انسانوں کا خدا کے ساتھ تعلق انہی قوانین کی رو سے ہوگا۔ براہِ راست نہیں ہوگا۔ اسی سے ختمِ نبوت کا مفہوم بھی واضح ہوگیا۔''

اطاعت کا عملی ذریعہ:

طلوعِ اسلام مارچ 1982ء، ص:43: ''آپ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے کیسے بلیغ انداز سے اس بات کو سمجھا دیا کہ خدا کی محکومیت اختیار کرنے کا قابلِ عمل طریقہ کیا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ آج، اس دور میں، جسے تہذیب وتمدن کا زمانہ کہا جاتا ہے، مبنی برعدل حکومت کا تصور یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایک آئین مرتب کرتی ہے۔ اس آئین کو کتاب کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔ پھر اس آئین کے مطابق قوانین وضع کئے جاتے ہیں اور وہ قوانین بھی کتابوں کی شکل میں عام کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد، ہر متنازعہ فیہ معاملہ کے تصفیہ کے لئے ان کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، حکمرانی ''کتاب'' کی ہوتی ہے۔ کتاب کی حکمرانی میں کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اس کتاب کو مرتب کیا تھا۔ وہ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے۔ ہم ان کی کوئی بات نہیں مانیں گے جب تک وہ ہمیں خود حکم نہ دیں۔ کوئی اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ غور کیجئے! قرآن کریم نے یہ بات چودہ سو سال پہلے کہی تھی کہ حکمرانی کتاب (ضابطہء قوانین) کی ہوتی ہے۔ اور اس کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ صاحبِ کتاب خود ہمارے سامنے آکر حکم دے تو پھر ہی اس کی اطاعت کی جائے۔ کتاب کی اطاعت درحقیقت، کتاب دینے والے کی اطاعت، ہوتی ہے۔ لہٰذا، اللہ کی اطاعت کی عملی شکل، اس کی کتاب کی اطاعت ہے، اور اللہ پر ایمان کا عملی مفہوم، اس کی کتاب پر ایمان لانا ہے۔ جو شخص خدا کی کتاب پر ایمان نہیں لاتا، اس کا خدا پر ایمان لانا بھی قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص اس کی کتاب کی محکومیت اختیار نہیں کرتا، وہ خدا کی حاکمیت سے انکار کرتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ (مفہوم)۔ ''جو لوگ خدا کی کتاب کی محکومیت اختیار نہیں کرتے، وہ مومن نہیں، کافر کہلاتے ہیں۔'' (5:44)۔

خدا کی اطاعت بذریعہ نظامِ حکومت:

طلوعِ اسلام مارچ 1983ء، ص:۔11، لیکن کتاب تو ساکت وصامت حروف ونقوش کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس کی اطاعت کس طرح کی جائے؟۔ ''بعض لوگوں نے یہ خیال کیا (اور دنیا کے تمام اہلِ مذاہب اسی خیال کے حامل ہیں) کہ خدا کی اطاعت انفرادی طور پر کی جائے گی۔ یعنی ہر فرد اپنے اپنے طور پر جس طرح جی چاہے، احکامِ خداوندی کی اطاعت کرتا رہے۔ اسے ''مذہب'' کہتے ہیں جس میں ''خدا کی اطاعت'' سے مراد اس کی پرستش ہوتی ہے ''محکومیت''

نہیں ہوتی ۔لیکن قرآن ،انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی نظامِ حیات کی تاکید کرتا ہے۔اسے ''دین'' کہا جاتا ہے۔۔(مذہب اور دین کے اس فرق کے لئے میرے مجموعہءمضامین ۔۔بہارِنو۔۔میں ''قیامتِ موجود'' کا عنوان دیکھئے یا میری انگریزی زبان کی کتاب:Islam,A challenge to Religion :۔وہ کہتا ہے کہ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ۔۔۔ (3:103)۔''تم اس ضابطہءخداوندی کو اجتماعی طور پر تھامے رکھو۔'' ظاہر ہے کہ اس کے لئے نظامِ حکومت کی ضرورت ہوگی۔اس سلسلہ میں قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ تمہارے ایمان واعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہوگا۔(یعنی تمہاری اپنی حاکمیت وحکومت)۔اسی سے تمہارے دین (اجتماعی نظامِ زندگی) کوتمکن حاصل ہوگا۔اوراسی سے تم اس قابل ہوسکو گے کہ خالصتاً خدا کی محکومیت اختیار کرسکو(24:55)۔اس نظام (کی مرکزی اتھارٹی) کی اطاعت،خدا کی اطاعت کہلائے گی۔''

مملکت کیا ہے:

جناب پرویز صاحب کا ایک مشہورخطاب ہے۔''مقصود بالذات کیا ہے۔فرد یا مملکت؟''(طلوعِ اسلام دسمبر 1974ء)۔اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ:۔آغازِ انسانیت ہی سے مملکت کوایک ایسا بُت سمجھا جاتا رہا ہے جس پر اُس مملکت کے باشندے اپنی قربانیاں دینا اپنا اولیں فرض سمجھیں۔مملکت کو معبود کی حیثیت دے دینا اقتدار پسند،طاقتور افراد کی کارستانی ہے۔مملکت کا یہ کلی،آمرانہ،ہمہ گیر،مستبدانہ نظریہ لوگوں کی ہوس اقتدار کا وضع کردہ ہے۔''قرآن آیا اوراس نے ذہنِ انسانی کے تراشیدہ تمام بتوں کوحریمِ انسانیت سے نکال باہر کیا۔قرآن ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا پورا نظام سامنے لاتا ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ اس میں مملکت کا لفظ تک نہیں ملتا۔اس نے اس ہیئتِ اجتماعیہ کے دو ہی اجزاء بتائے ہیں:۔ایک،ملک یعنی ایک خطہءارض،اور دوسرا جزو،اس ملک میں بسنے والے انسان۔'' آگے چل کر کہتے ہیں کہ:۔''مملکت ایک موہوم تصور تھا،اس کے مقابلے میں ملک ایک محسوس خطہءزمین کا نام ہے۔جب ہم کہتے ہیں کہ ملک خطرہ میں ہے تو اس خطرہ کو محسوس کیا جا سکتا ہے،دیکھا جا سکتا ہے۔اس کے متعلق نہ کوئی دھوکا دے سکتا ہے،نہ دھوکا کھایا جا سکتا ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ اس خطرہ کی نوعیت یا کمیت کا اندازہ ان معلومات کی بناء پر لگایا جا سکتا ہے جو کسی کو حاصل ہوں۔لیکن اس کا تعلق بہر حال محسوسات سے ہوتا ہے،مملکت کی طرح موہوم نہیں ہوتا۔'' پرویز صاحب کے مطابق (مملکت یا) ملک،مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مقصد(ایک ایسے نظامِ حکومت یعنی دین کا قیام جو انسان کی بحیثیت انسان فلاح کا ضامن وذمے دار ہو) کے حصول کا ذریعہ ہے۔ایک مملکت کا ہونا،اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ضروری ہے۔اوراس کی حفاظت بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔بہر حال!اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام ہے۔پرویز

صاحب نے اسلامی مملکت کی اصطلاح ایک خطہء ارض کے معنی میں استعمال کی ہے نہ کہ ارسطو اور ہیگل وغیرہ کے موہوم نظریات کے مطابق (مئولف)۔

اسلامی مملکت:

طلوعِ اسلام فروری 1980ء، صفحہ نمبر 4، ''اسلامی مملکت وہ ہے جو ایسا نظام قائم کرے جس میں جملہ امور کے فیصلے قرآن مجید کے مطابق ہوں۔ اس سے ''دین'' کا تمکن ہوگا جو اسلامی مملکت (استخلاف فی الارض) کی غایت اور وجہء جواز ہے۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اسلامی مملکت کا مقصد یہ ہے کہ:۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ۔۔۔۔(24:55)۔ ''تاکہ اس سے اس دین کا تمکن ہوجائے جسے خدا نے ان کے لئے منتخب کیا ہے۔ اسلامی مملکت کس کی ہوتی ہے:۔ اسلامی مملکت کسی خاص فرد، گروہ یا جماعت کی نہیں ہوتی۔ یہ پوری اُمت کی ہوتی ہے۔ سورۃ النور کی جس آیت کا ایک حصہ اوپر درج کیا گیا ہے اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔۔ (24:55)۔ ''خدا نے ان لوگوں سے، جو ایمان لائیں اور اعمال صالح کے پیکر ہوں، وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں استخلاف فی الارض عطا کردے گا۔'' لہٰذا، استخلاف فی الارض ایمان اور اعمالِ صالح کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ مملکت اس اُمت کو ملتی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔'' قرآن مجید نے اسلامی حکومت کا فریضہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' قرار دیا ہے یعنی ان امور کا حکم نافذ کرنا جنہیں خدا نے صحیح قرار دیا ہے اور ان سے روکنا جنہیں اس نے غلط کہا ہے۔ اس نے یہ فریضہ پوری کی پوری اُمت کا قرار دیا ہے جہاں کہا ہے کہ:۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (3:110)۔ ''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔'' سورۃ الحج میں جملہ مومنین کے متعلق کہا ہے:۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔۔۔۔۔۔(22:41)۔ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں تمکن حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلواۃ اور ایتائے زکواۃ کا نظام قائم کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے۔'' اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ سورۃ التوبہ میں ہے:۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔۔۔(9:71)۔ ''مومن مرد اور مومن عورتیں، سب ایک دوسرے کے دوست سازگار ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔''

اسلامی حکومت:

طلوعِ اسلام دسمبر 1981ء، صفحہ نمبر: 37، ''حکومتِ خداوندی یا اسلامی حکومت کسے کہا جائے گا؟ مملکت اور حکومت تو

بزورِ شمشیر ہلاکو اور چنگیز نے بھی حاصل کر لی تھی، اور شہنشاہوں کے ولی عہد اسے وراثتاً۔ بھی حاصل کر لیتے ہیں (اسے موروثی ملوکیت کہا جاتا ہے)۔ کیا اسے بھی خدا کی طرف سے عطا کردہ استخلاف فی الارض کہا جائے گا اور اس کے سربراہوں کو ایسے اربابِ اقتدار جو منشائے خداوندی کو پورا کرنے کے لئے مامور ہوتے ہیں؟۔ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!۔ اگر ایسا ہی ہوتو صاحبِ ضربِ کلیمی کو فرعون کی کلائی مروڑنے کے لئے کیوں بھیجا جائے؟۔ حکومت وہی منشائے خداوندی کے مطابق (یعنی اسلامی) قرار پا سکتی ہے جو ایمان و اعمال صالح کی رو سے قائم کی جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی مملکت ان افراد کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے جو اپنی زندگی اقدارِ خداوندی کے حدود کے اندر رہتے ہوئے گزاریں اور ان کی سیرت و کردار، قرآنی اقدار کے سانچے میں ڈھلی ہو۔ اس مملکت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس قسم کے افراد تیار کئے جائیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکّہ کی زندگی میں کیا۔ مدنی مملکت انہی کے ایمان و اعمال صالح کا نتیجہ تھی۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی خطہء زمین مل جائے جس میں اس قسم کی مملکت قائم کی جا سکتی ہو، تو جب تک اس کی زمامِ اقتدار ایسے افراد کے ہاتھوں میں نہیں آئے گی جو سیرت و کردار کی رو سے قرآنی معیار پر پورے اتریں اور اس کا کاروبار کتاب اللہ کے مطابق ہو، اسے اسلامی مملکت نہیں کہا جائے گا۔ وہ دنیا کی دیگر مملکتوں کی طرح ایک مملکت ہوگی۔ موروثی مملکت یا بزورِ شمشیر حاصل کردہ مملکت اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صدرِ اول کے بعد، ہماری تاریخ میں آج تک کسی مملکت کو بھی اسلامی مملکت نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو رہا یہ سوال کہ ایسی مملکت قائم کس طرح کی جاتی ہے؟۔ اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ مملکت مقصود بالذات ہوتی ہے یا کسی بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ؟۔ قرآن کریم اس سوال کا متعین جواب دیتا ہے کہ یہ مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ ایک بلند و بالا مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس مقصد کو اس نے یہ کہہ کر واضح کر دیا: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔۔۔(24:55)۔ وہ مقصد یہ ہے کہ جس دین کو خدا نے تمہارے لئے متعین (پسند) کیا ہے اسے تمکن حاصل ہو جائے۔۔۔۔ دین کا تمکن اس مملکت کے قیام کا مقصد، علّتِ غائی بلکہ وجہء جواز ہے۔''

اسلامی حکومت کی تعریف:

اسلامی حکومت وہی ہوگی جو اعلان کرے گی کہ اس کے تمام امور ''ما انزل اللہ'' (قرآن) کے مطابق طے پائیں گے (5:44) یعنی یہ حکومت صرف کتاب اللہ کو آئین حیات اور ضابطہء قوانین تسلیم کرنے کا اعلان کرے گی۔ مئولف کے خط کے جواب میں طلوع اسلام اکتوبر 1979ء کے صفحہ نمبر 21۔20 پر پرویز صاحب نے لکھا کہ: ''جو حکومت اپنے جملہ معاملات میں قرآنی اقدار کی پابند ہو اسے اسلامی حکومت یا خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جائے گا۔'' تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: ''اگر کوئی حکومت اسلامی بننا چاہتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے فیصلہ کرے کہ اس کا جملہ کاروبار حدود

قرآنی کے اندر رہتے ہوئے بروئے کار آئے گا۔اس کے بعد وہ جو فیصلے قرآن کریم کے مطابق کرے گی، وہ اسلامی کہلائیں گے۔اس وقت اُمت میں جو خلفشار ہے وہ ان حقائق کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے۔''۔طلوعِ اسلام فروری 1971ء (صفحہ نمبر 59) ملاحظہ ہو:۔۔۔''(1)۔اسلامی مملکت اسے کہیں گے جس کا تمام کاروبار (کوئی ایک گوشہ نہیں بلکہ تمام کاروبار) وحی (قرآن) کی عطا کردہ مستقل اقدار کے تابع سرانجام پائے۔اس قسم کی مملکت کے نظام کو اسلامی نظام کہا جائے گا۔۔۔(2)۔یہ ہو نہیں سکتا کہ مملکت کا کوئی ایک گوشہ (سیاسی، معاشرتی، معاشی) تو اسلامی ہو اور باقی شعبے غیر اسلامی ہوں۔یا باقی تمام شعبے اسلامی ہوں اور کوئی ایک شعبہ غیر اسلامی ہو۔اگر مملکت کا کوئی ایک گوشہ بھی غیر اسلامی ہوگا تو وہ مملکت اسلامی نہیں کہلا سکے گی۔اسلامی مملکت کا ہر گوشہ اسلامی ہوتا ہے۔جنت کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہوسکتا جسے جہنم کہا جا سکے۔نہ ہی جہنم کا کوئی ایک گوشہ جنت قرار پا سکتا ہے۔جس طرح انسان کا کوئی حصہ مومن اور کوئی حصہ کافر نہیں ہوتا اسی طرح مملکت کا ایک گوشہ اسلامی اور دوسرا گوشہ غیر اسلامی نہیں ہوسکتا۔(3)۔اس قسم کی (اسلامی) مملکت ان لوگوں کے ہاتھوں قیام پذیر ہوتی ہے جو خدا، وحی، رسالت (مستقل اقدارِ حیات)، انسانی ذات، قانونِ مکافاتِ عمل اور تسلسلِ حیات (مرنے کے بعد کی زندگی) پر علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھیں۔اور ان کے اس یقین (ایمان) کا مظاہرہ ان کے اعمالِ حیات، ان کی سیرت و کردار، ان کے روزمرہ کے کاموں سے ہوتا ہے۔انہی افراد کی ہیئتِ اجتماعیہ کو ملتِ اسلامیہ، اُمتِ مسلمہ، جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔مملکت، قراردادِ مقاصد پاس کرنے یا چند شرعی قوانین نافذ کرنے، یا کوئی خاص معاشی پروگرام اختیار کرنے سے اسلامی نہیں بن جاتی۔۔نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر!۔''

حکومت پوری اُمت کی:

طلوعِ اسلام اکتوبر 1979ء میں (صفحہ نمبر 12 پر) جناب پرویز صاحب نے مئولف کے خط کے جواب میں لکھا کہ:۔''قرآن کریم نے اس کی مزید وضاحت فرمادی کہ یہ فریضہ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) پوری کی پوری جماعت مومنین کا ہے، کسی خاص گروہ کا نہیں۔سورہ التوبہ میں مومنین کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے انہیں۔ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:112) کہا گیا ہے۔یعنی''امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے''۔دوسرے مقام پر مومنین کے ساتھ مومنات کا بھی اضافہ کر کے اس کی وضاحت کردی کہ یہ فریضہ امت کے مرد اور عورتیں سب کے سب سرانجام دیں گے۔ارشادِ خداوندی ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (9:71)۔''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں'' ان تمام آیات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے الفاظ آئے ہیں۔''امر'' کے معنی کسی بات کا حکم

دینا ہیں اور ''نہی'' کے معنی کسی کام سے حکماً روک دینا۔ اس سے واضح ہے کہ یہ فریضہ اسی صورت میں سرانجام دیا جا سکتا ہے جب یہ امت صاحبِ اقتدار ہو۔ چنانچہ سورہء الحج میں ہے کہ: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔۔۔(22:41)۔ ''یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دیں گے'' اس سے واضح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی مملکت کا فریضہ ہے۔ واضح رہے کہ اسلامی مملکت میں اقتدار پوری کی پوری اُمت کو حاصل ہوتا ہے، کسی ایک گروہ کو نہیں۔ دیکھئے (25:55)۔ لہٰذا، اس آیت سے یہ بھی واضح ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وعظ و نصیحت کی بات نہیں، اس فریضہ کو اسلامی مملکت احکام و قوانین کے ذریعے سرانجام دیتی ہے۔ تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پوری کی پوری امت کا فریضہ ہے نہ کہ کسی خاص گروہ کا۔ اور امت اس فریضہ کو اقتدارِ مملکت کی رو سے سرانجام دیتی ہے نہ کہ وعظ و نصیحت کے ذریعے۔ اسلام کے صدرِ اول میں اس فریضہ کی ادائیگی کی یہی شکل تھی۔ یعنی امت اس فریضہ کو اسلامی مملکت کے ذریعے سرانجام دیتی تھی۔ اس زمانے میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی الگ گروہ نہیں تھا۔''

عورت اور نظامِ مملکت:

طلوعِ اسلام جنوری 1980ء، ص:22:۔ ''ہمارے ہاں یہ خیال عام کیا جاتا ہے کہ اسلام میں، عورتوں کو نظامِ مملکت میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نظریہ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جو آیت (22:41) ابھی ابھی آپ کے سامنے آئی ہے، اس میں اسلامی حکومت کا فریضہ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' بتایا گیا ہے۔ اور دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ فریضہ مردوں اور عورتوں دونوں کا ہے۔ تنہا مردوں کا نہیں۔۔۔ سورہء توبہ میں ہے کہ:۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔۔(9:71)۔ ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ان کا فریضہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ہے۔''

فٹبال کے کھیل کی مثال:

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت پوی کی پوری اُمت کی ہوتی ہے۔ پوری امت نہ صرف عمل مشاورت میں شریک ہوتی ہے بلکہ حکومت کی تمام ذمے داریوں میں بھی اس کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو فٹ بال کے کھیل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ (بحوالہ طلوعِ اسلام ستمبر 1979ء صفحہ نمبر 52۔59) وہ کہتے ہیں کہ فٹ بال کے کھیل میں ''ایک چیز عجیب دکھائی دیتی ہے اور وہ یہ کہ ان (کھلاڑیوں) میں سے جس کے قریب بھی بال آجاتا ہے وہ اسے ایک خاص سمت کی طرف لے

جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ان میں سے ایک کھلاڑی بال کو مشرق کی طرف لے جائے اور دوسرے کی باری آئے تو وہ اسے مغرب کی طرف لے جائے۔ جس سمت کو یہ سب کھلاڑی بال کو لے جانا چاہتے ہیں، اسے انگریزی زبان میں گول کہتے ہیں۔ گول کے معنی ہیں نصب العین، منزلِ مقصود، وہ نقطہ جس پر سب کی نگاہ ہو، وہ چیز جسے سب مل کر حاصل کرنا چاہیں۔ کھلاڑی گیارہ ہوتے ہیں لیکن ان سب کے سامنے گول ایک ہی ہوتا ہے۔ جن کھلاڑیوں کے سامنے ایک مشترکہ گول ہو، انہیں انگریزی زبان میں ٹیم کہتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی جگہ کے رہنے والے انسانوں کے سامنے ایک مشترکہ نصب العین ہو تو انہیں قوم یا اُمت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا، افراد، قوم اس صورت میں بن سکتے ہیں جب ان سب کے سامنے ایک گول، ایک نصب العین یا ایک منزلِ مقصود ہو۔ اگر کسی ملک کے باشندوں کے سامنے ایک نصب العین نہ ہو تو وہ قوم نہیں بن سکتے۔ یا مختلف لوگوں کے سامنے مختلف نصب العین ہوں تو بھی وہ ایک قوم نہیں بن سکتے۔'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا گول خود ہی سورہء آلِ عمران (آیت نمبر 102) میں مقرر کر دیا اور انہیں اُمتِ واحدہ قرار دے کر فرقہ بندی سے منع کر دیا۔۔۔ اس سے آگے لکھتے ہیں۔ ''کھیل کے میدان میں جن گیارہ کھلاڑیوں کا گول ایک ہوتا ہے، انہیں ایک ٹیم کہا جاتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں دوسرے کھلاڑیوں کا گول ان سے مختلف ہوتا ہے، وہ دوسری ٹیم کہلاتے ہیں۔ آپ نے غور کیا کہ ایک ہی میدان کے کھلاڑی دو گروہ کس طرح بن گئے؟ محض گول کے الگ الگ ہونے سے۔ موجودہ زمانے کی اصطلاح میں قوم کے نصب العین یا گول کو آئیڈیالوجی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان، آئیڈیالوجی کی وحدت کی بناء پر اُمت بنتے ہیں۔ ان سب کی آئیڈیالوجی ایک ہوتی ہے۔'' لہٰذا، مسلمان تمام کے تمام ''اُمتِ واحدہ'' ہوتے ہیں (بحوالہ طلوعِ اسلام ستمبر 1979ء صفحہ نمبر 47)۔ پرویز صاحب ایک بار پھر فٹ بال کے کھیل کی مثال سامنے لاتے ہیں کہ:۔ ''افراد، قوم اس وقت بنتے ہیں جب ان سب کے سامنے ایک نصب العین ہو۔ اسے کھیل کی مثال سے سمجھایا گیا تھا جس میں گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں اور ان سب کے سامنے ایک گول ہوتا ہے۔ ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان کھلاڑیوں میں سے کوئی دائیں طرف ہوتا ہے، کوئی بائیں طرف۔ کوئی آگے، کوئی پیچھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ان کھلاڑیوں کی اپنی اپنی مرضی پر موقوف ہوتا ہے کہ جس کا جہاں جی چاہے کھڑا ہو جائے اور جو کچھ جی میں آئے کرنے لگ جائے؟ ظاہر ہے کہ اس طرح بڑی ہڑبونگ مچ جائے گی۔ ایسی صورت سے بچنے کے لئے یہ کھلاڑی اپنے میں سے اچھے کھلاڑی کو اپنا کپتان چن لیتے ہیں اور عہد کر لیتے ہیں کہ وہ سب اس کی بات مانیں گے۔ اس بات کا فیصلہ کپتان کرتا ہے کہ کون کھلاڑی کس جگہ کھڑا ہو۔ کس کے ذمے کس قسم کا کام لگایا جائے۔ یہی ان سب کی ڈیوٹیاں لگاتا ہے۔ یہی ان کے جھگڑوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اس طرح یہ کھلاڑی ایک ٹیم بنتے ہیں۔ جو صورت کھلاڑیوں کی ہے، وہی ایک قوم یا اُمت کی ہے۔ امت کے افراد اپنے میں سے بہترین فرد کو چن کر اپنا بڑا امان

لیتے ہیں اور سب اس کی ہدایات کے مطابق چلتے ہیں۔ اور اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ ٹیم اور اس کے کپتان۔ یا قوم اور مملکت کے سربراہ کا معاملہ عجیب ہوتا ہے۔ ٹیم کا کپتان، ٹیم سے باہر کھڑا ہو کر حکم نہیں چلاتا۔ وہ گیارہ کھلاڑیوں میں سے ایک کھلاڑی ہوتا ہے۔ وہ انہی کی طرح ٹیم کے اندر، ٹیم کے ساتھ مل کر کھیلتا ہے۔ وہ جب ڈیوٹیاں تقسیم کرتا ہے تو اپنے ذمے بھی ایک ڈیوٹی لیتا ہے۔ وہ اس ڈیوٹی کو ایک عام کھلاڑی کی طرح سرانجام دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ساری ٹیم کو مناسب ہدایات بھی دیتا رہتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ٹیم کے کپتان کو دُہرے فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ یہی حالت امت کے سربراہ کی ہے۔ وہ امت کا ایک فرد۔ یا یوں سمجھیئے کہ مملکتِ پاکستان کا ایک عام شہری ہوتا ہے۔ اور اس کے ذمے وہ تمام فرائض ہوتے ہیں جو دوسرے شہریوں کے ذمے ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اس کے ذمے یہ کام بھی ہوتا ہے کہ وہ ساری قوم کی سربراہی کرے۔ انہیں مناسب ہدایات دے اور اس کا اطمینان کرے کہ ہر فرد اپنا اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ:۔ ٹیم کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا کپتان چنے؛ کپتان کا کام یہ ہے کہ وہ ٹیم کو بہترین ہدایات دے اور ٹیم کے ہر کھلاڑی کا کام یہ ہے کہ وہ کپتان کی ہدایات کے مطابق اپنا فریضہ سرانجام دینے میں پوری پوری کوشش کرے۔ ایسی ٹیم کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ ہار جیت صرف کپتان کی نہیں بلکہ پوری ٹیم کی ہوتی ہے۔ یہی کیفیت پوری قوم کی ہوتی ہے۔ قوم کا سربراہ جو فیصلے یا دوسری اقوام سے معاہدات کرتا ہے، وہ پوری قوم کے فیصلے اور معاہدات ہوتے ہیں۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی صرف سربراہ امت کا نہیں بلکہ پوری امت کا ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت کی طرف سے نافذ شدہ احکامات، ساری امت کی طرف سے نافذ شدہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ حکومت ساری امت کی ہوتی ہے، کسی خاص گروہ یا خاص فرد کی حکومت نہیں ہوتی۔

کپتان، قانون کے ماتحت:

مزید، سوال یہ ہے کہ کیا ٹیم کے کپتان کو اس کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس قسم کا حکم جی میں آئے، دے دے یا اس پر بھی کوئی پابندی عائد ہوتی ہے؟۔ ایک بار پھر فٹ بال کا کھیل سامنے لائیے۔ اس میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ بال کو ہاتھ نہ لگنے پائے۔ اگر کسی کھلاڑی کا ہاتھ بال کو لگ گیا تو وہ مجرم سمجھا جائے گا۔ ٹیم کے کپتان کو اس کا حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کسی کھلاڑی سے کہہ دے کہ تم بال کو ہاتھ سے بھی چھو سکتے ہو یا وہ خود اگر جی چاہے تو پاؤں سے کھیلے اور جی چاہے تو بال کو ہاتھ سے پکڑ لے

اس کا مطلب یہ ہے کہ کپتان کے اختیارات اُن قاعدوں کے ماتحت ہوتے ہیں جو کھیل کے لئے بطور اصول اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کبھی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اسلامی مملکت کے سربراہ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی مستقل اقدار یا اصولوں میں کسی قسم کا ردوبدل کر سکے۔ وہ صرف انہیں نافذ کرنے کا ذمے دار ہوتا ہے۔ اسلامی

حکومت میں خدا کے مقرر کردہ اصول ہر ایک پر یکساں طور پر نافذ ہوتے ہیں۔مملکت کی بڑی سے بڑی ہستی بھی ان اصولوں سے بالا نہیں ہوتی۔اسلامی مملکت میں،مملکت کے سربراہ کو باقی افرادِ امت کے مقابلہ میں کوئی خصوصیت یا رعایت حاصل نہیں۔۔وہ خدا کے مقرر کئے ہوئے اصولوں میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔۔وہ ان کے خلاف کوئی حکم صادر نہیں کر سکتا۔اسے سب سے پہلے ان قوانین کی اطاعت کرنی ہوتی ہے۔وہ اگر ان کی خلاف ورزی کرے تو اس سے بھی اسی قسم کا مواخذہ ہوگا جس قسم کا مواخذہ قوم کے ایک عام فرد سے ہوگا۔اور اسے بھی اسی قسم کی سزا ملے گی۔چنانچہ خود حضور کریم ﷺ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ:۔ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (سورۂ انعام۔آیت نمبر 15)۔''ان سے کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن (یعنی مکافاتِ عمل کے وقت) سے ڈرتا ہوں۔''ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اسلامی مملکت میں:۔(1)۔افرادِ امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا سربراہ چن لیتے ہیں۔(2)۔وہ سربراہ،مملکت کے تمام اختلافی امور طے کرتا ہے۔(3)۔افرادِ امت پر اس کے فیصلوں کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔(4)۔لیکن وہ اپنے فیصلوں میں ڈکٹیٹر نہیں ہوتا،اسے ان اصولوں کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے قرآن کریم میں دیئے گئے ہیں۔(5)۔اس بارے میں اس میں اور ایک عام فردِ امت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔۔اس اعتبار سے دیکھئے تو اسلامی مملکت کسی فرد یا گروہ کی حکومت نہیں ہوتی،وہ ساری کی ساری قوم (یا اُمت) کی حکومت ہوتی ہے۔اور اس میں تمام فیصلے،احکام اور قوانین،خدا کے مقرر کردہ اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے مرتب ہوتے ہیں۔ان کی خلاف ورزی کوئی نہیں کر سکتا۔''

ملوکیّت اور اسلامی حکومت:

طلوعِ اسلام جولائی 1982ء،صفحہ نمبر 7،ملوکیت کے بارے میں فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رود'' پر دارالمصنفین اعظم گڑھ (بھارت) کے سید صباح الدین عبدالرحمان کے تبصرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔''مملکت یا حکومت کے ضمن میں حسب ذیل بنیادی حقائق کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔(1)۔قرآن کی رو سے،مملکت کوئی جائیداد نہیں کہ جس کا جی چاہے اس پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے۔قوانین خداوندی کا نافذ کرنا پوری امت کا فریضہ ہے۔اور مملکت اس تنظیم کا نام ہے جس کی رو سے امت اپنے اس فریضہ کو ادا کرتی ہے۔قرآن نے ''استخلاف فی الارض (24:55) اور'' تمکن فی الارض (22:41) کی حامل ساری امت کو بنایا ہے۔اور امت باہمی مشاورت سے اس تنظیم کو قائم کرتی ہے جس کی وساطت سے قوانین خداوندی نفاذ پذیر ہوتے ہیں۔اگر کوئی فرد یا افراد کا مجموعہ زبردستی حکومت پر قابض ہو جاتا ہے تو وہ اسلامی نظام کو جڑ بنیاد سے کاٹ دیتا ہے۔اور جب وہ موروثی ہو جائے تو وہ ذاتی جائیداد بن جاتی ہے۔اسلام اس تصورِ حاکمیہ

کو مٹانے آیا تھا۔۔۔علامہ اقبالؒ کے سوانح نگار کو (کم از کم) علامہ اقبالؒ کے اس قسم کے ارشادات ہی پیش نظر رکھنے چاہئیں تھے:۔ع۔

هنوز اندر جهاں آدم غلام است
نظامش خام و کاوش نا تمام است
غلامِ فقر آں گیتی پناهم
که در دینش، ملوکیت حرام است
(ارمغان حجاز)

جسے علامہ اقبالؒ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرام قرار دے رہے ہیں، اسے یہ حضرات عین مطابق اسلام ٹھہراتے ہیں (یاللعجب!)۔(2)۔قرآن کریم چونکہ عالمگیر ضابطہء ہدایت ہے اور قیامت تک کارفرما رہنے کے لئے دیا گیا ہے اس لئے اس کا انداز یہ ہے کہ اس میں اصول و اقدار دیئے گئے ہیں، ان پر عمل پیرا ہونے کے طرق اور اسالیب نہیں دیئے گئے۔یہ اصول و اقدار تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کے انداز اور طریق (ہر زمانے کی امت) خود وضع کرے گی۔یہ طرق و انداز بہ تقاضائے وقت قابل تغیر و تبدل ہوں گے۔بالفاظِ دیگر، قرآنی اصول و اقدار وہ حدود اللہ ہوں گی جن کے اندر رہتے ہوئے، امت ان کے نفاذ کے طریق باہمی مشاورت سے وضع کرے گی۔۔۔ان طریقوں کے وضع کرنے کا امت کو اختیار ہوگا لیکن اس میں بھی شرط یہ ہوگی کہ کوئی طریق، قرآنی اصول و اقدار سے ٹکرائے نہیں۔یہ وجہ ہے جو قرآن میں کانسٹی ٹیوشن کی جزئیات یا قوانین کی فروعات نہیں دی گئیں، صرف اصول و اقدار دی گئی ہیں۔(3)۔قرآن کریم نے، مملکتی تنظیم قائم کرنے کے لئے امت کے باہمی مشورہ کو غیر متبدل اور ابدی قرار دیا ہے۔اس نے اس کا طریق کار یا طرز خود متعین نہیں کیا، اسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔اس میں اسے پورا پورا اختیار حاصل ہے۔لیکن اسے اس کا قطعاً اختیار نہیں کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرلے جس میں مشاورت نہ ہو۔بناء بریں، ڈکٹیٹرشپ، ملوکیت، یا موروثی حکومت کسی صورت میں بھی مطابقِ اسلام قرار نہیں پا سکتی۔اسی طرح ایسی مشاورت بھی مطابق اسلام قرار نہیں پا سکتی (مثلاً مغربی جمہوریت) جو اپنے فیصلوں میں حدود اللہ کی پابند نہ ہو۔(4)۔سید صباح الدین صاحب فرماتے ہیں کہ۔"اگر ایک بادشاہ یا ڈکٹیٹر شرعی قوانین کا پابند ہو یا کم از کم ان کے نفاذ کے لئے کوشاں ہو تو کیا وہ اس لئے پسند نہیں کیا جائے گا کہ وہ رائے بالغان کے ذریعے منتخب نہیں ہوا؟"۔سید صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ سوال رائے بالغان یا نابالغان کا نہیں۔اگر وہ اسلامی طریق سے منتخب نہیں کیا گیا، تو اسے کسی صورت میں پسند نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ کتنا ہی "شرعی قوانین کا پابند ہو"۔۔۔ظاہر

ہے کہ ''شرعی قوانین'' سے ان کی مراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یا نکاح، طلاق جیسے احکام ہی ہو سکتے ہیں۔ (یہی اسلام یہ حضرات تحریکِ پاکستان کے دوران پیش کیا کرتے تھے)۔ جو شخص خلافِ شریعت طریق سے حاصل کردہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہے، اس کی نماز، روزے کی پابندی اسے جائز حاکم نہیں بنا سکتی۔ اور جس کا خود وجود ہی خلافِ شریعت ہو، وہ قوانین شریعت کیا نافذ کرے گا؟'' تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔ ''سید صاحب تو شاید اسے (Appreciate) نہ کر سکیں لیکن جسٹس جاوید اقبال ہم سے متفق ہوں گے، کہ اگر ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے کسی جج کا تقرر، کانسٹی ٹیوشن، کے خلاف ہو، تو اس کا کوئی فیصلہ (خواہ وہ کتنا ہی ضابطہء قوانین کے مطابق کیوں نہ ہو) قانونی میزان میں قابلِ تسلیم قرار نہیں پائے گا۔ اس کے فیصلوں کے قانونی تسلیم کئے جانے کی بنیادی شرط یہ ہوگی کہ خود اس کا تقرر قانون کے مطابق ہو۔ جس حکمران کا حاملِ اقتدار ہونا ہی خلافِ اسلام ہو، اس کے نافذ کردہ قوانین کس طرح اسلامی تصور کئے جا سکتے ہیں۔'' پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔ ''اسلامی نظام میں کیفیت یہ نہیں ہوتی۔ اس میں ہر قانون کی متابعت کا اثر فردِ متعلقہ کی سیرت پر بھی پڑتا ہے اور قانون نافذ کرنے والوں کی سیرت، اس باب میں قانون سے بھی زیادہ موثر ہوتی ہے۔ جس جج کے متعلق یقین ہو کہ وہ نہایت دیانتداری سے، انصاف کے مطابق فیصلے صادر کرتا ہے، اس کے فیصلے کے خلاف اُس کے دل میں بھی کبیدگی پیدا نہیں ہوتی جس کے خلاف فیصلہ صادر ہو۔ اسلامی مملکت کے اولیں سربراہ (حضور نبی اکرم ﷺ) کے فیصلوں کی یہی خصوصیت تھی جس کا نتیجہ یہ تھا: لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ۔۔۔ (4:65)۔ ''جن کے خلاف فیصلہ صادر ہوتا تھا وہ بھی اپنے دل میں اس کے خلاف گرانی محسوس نہیں کرتے تھے۔'' اس کی اولیں شرط یہ ہے کہ سربراہِ مملکت خود اسلامی اقدار کے مطابق برسرِ اقتدار آیا ہو۔ جس سربراہ کے متعلق لوگ جانتے ہوں کہ وہ ڈاکو ہے، اس کے صحیح فیصلے بھی صحیح نتائج پیدا نہیں کر سکتے۔ افرادِ معاشرہ اس کے اقتدار کو بھی ظلم و جور محسوس کرتے ہیں۔ اس کے قوانین کو بھی ظلم و جور۔ اور ان کی اطاعت کو بھی جبر و جور کا نتیجہ۔ یہ وجہ ہے کہ ڈکٹیٹر شپ، ملوکیت (اور اس کی بدترین شکل موروثی ملوکیت) اور اسلامی مملکت ایک دوسرے کی ضد ہیں جو کبھی یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اسلام آیا ہی اس قسم کے اندازِ حکومت کو مٹانے کے لئے تھا۔ اس نظام میں:۔ عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست۔ اس میں کسی انسان کو حقِ حکومت حاصل نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ملوکیت کو؟''

(جاری ہے)

ادارہ طلوع اسلام کا ای میل ایڈریس Idarati@gmail.com

قرآنِ کریم کا اِنسائیکلوپیڈیا

قرآنِ مجید انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے لیکن اس کا انداز یہ نہیں کہ وہ ایک موضوع کے متعلق ایک ہی جگہ سب کچھ بیان کردے۔ اس کے متعلق وہ مختلف مقامات پر تفصیلات دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے احکام و قوانین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ان کے متعلق اس نے کہاں کہاں، کیا کیا کہا ہے۔ لیکن قرآن کریم پر ایسی وسیع نگاہ رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب نے اس مشکل کو ہمارے لئے حل کر دیا ہے۔ انہوں نے چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے قرآنِ مجید کا ایسا انسائیکلوپیڈیا مرتب کر دیا جس میں قریب دو ہزار چار سو عنوانات میں سے ہر ایک کے متعلق قرآنی آیات کے حوالے دے دیئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے قرآنی تعلیمات کو (Classify) کر دیا۔

اس عظیم الشان علمی و تحقیقی کتاب

تبویب القرآن

کا نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com
www.facebook.com/tolueislam.trust
Phone: +92 42 35753666

English Translation Projects of Tolue Islam Trust

- Lughatul Quran – Printed on Amazon UK
- Life in the Hereafter – Printed on Amazon UK
- The Quranic System of Sustenance – Printed and available in Pakistan
- Did Quaide Azam want to make Pakistan a secular state – Printed and available in Pakistan
- Book of Destiny – Printed and available in Pakistan
- Letters to Tahira – Printed and available in Pakistan
- The Quranic Laws – Printed and available in Pakistan
- Reasons for Decline of Muslims – Printed and available in Pakistan
- What Happened to Islam After Umar (R) – Printed on Amazon UK
- Islamic Way of Living – Printed and available in Pakistan
- Exposition of the Holy Quran – Printed and available in Pakistan
- All English books are available for reading / downloading on following link: www.islamicdawn.com/urdu-books/english-books-pdf/

Internet, Website and Social Media Projects

- www.islamicdawn.com
- http://islamicdawn.com/audios/ (For Audio Lectures)
- http://islamicdawn.com/videos/ (For Video Lectures)
- http://islamicdawn.com/magazine/ (For Monthly Tolue Islam)
- http://islamicdawn.com/urdu-books/ (For Urdu Books)
- http://islamicdawn.com/articles/ (For Pamphlets and articles)
- http://islamicdawn.com/urdu-books/english-books-pdf/ (For English Books)
- www.toluislam.com
- www.tolueislam.com
- http://www.tolueislam.org/
- http://www.dailymotion.com/user/tolueislam/1 (Dailymotion video channel)
- https://vimeo.com/user18635230/videos (Vimeo Video Channel)
- www.youtube.com/tolueislam (Youtube Video Channel)
- https://www.facebook.com/tolueislam.trust (Official Facebook Page)

Phone: 042 35753666, Email: tolueislam@gmail.com

ادارہ

رُوداد ادارہ طلوعِ اسلام کنونشن 2015ء

لاہور کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے علامہ اقبالؒ نے تمام اسلامی ملت کو یہ پیغام دیا:

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جُز بہ قرآں زیستن

(اگر تم اسلامی طرز سے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو پھر ایسا صرف قرآن کے مطابق عمل کرنے سے ہی ممکن ہو سکے گا۔)

اور پھر واضح تر الفاظ میں کہا کہ مسلمانوں کے پاس ایک خطۂ زمین ایسا ہونا چاہئے جس میں وہ، اپنے نظریے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ یہی وہ تصور تھا جس کی بدولت 1940ء کی قرارداد منظور ہوئی جس کا جیتا جاگتا نتیجہ ہمارا آج کا پاکستان ہے۔ یکم نومبر 2015ء کو اسی لاہور کی سرزمین پر احبابِ قرآنی ایک مرتبہ پھر اس لیے جمع ہوئے کہ قرآنی فکر کو کس طرح منظم طور پر آگے بڑھایا جائے تا کہ قرآنِ کریم کا زندگی بخش پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جا سکے اور اس کے نتیجہ میں ہمارا معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل ہو سکے۔

اِمسال مندوبین کی رہائش اور بزم ہائے طلوعِ اسلام کی رہائش اور بزم ہائے طلوعِ اسلام کے اجلاسوں کے لیے گلبرک لاہور میں انتظام کیا گیا تھا۔ 30 اکتوبر کی دوپہر ہی سے شمعِ قرآنی کے پروانے پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے دور ونزدیک مقامات سے لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔ ان کی رہائش اور کھانے کا انتظام ادارہ کی عمارت کے علاوہ مختلف جگہوں پر پہلے ہی سے کر دیا گیا تھا۔

31 اکتوبر کی صبح 11 بجے پہلا اجلاس شروع ہوا جس میں ادارہ طلوعِ اسلام کے چیئرمین محترم اکرم راٹھور صاحب کی زیرِ صدارت تمام بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگانِ محترم اور اراکینِ بزم ہائے طلوعِ اسلام نے شرکت فرمائی۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کے بعد اجلاس کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا جو طے شدہ ایجنڈا کے مطابق آگے بڑھتا رہا تا آں کہ ظہر کی نماز اور ظہرانے کا وقت آن پہنچا۔ اس اجلاس کی کارروائی کی رپورٹ الگ سے تمام بزموں کو ارسال کی جارہی ہے۔ دوسرا اجلاس بعد از نمازِ ظہر 3 بجے شروع ہوا۔ خالد اقبال خالد نے اپنے خیالات کا اظہار منظوم پیرائے میں کیا۔ بعد ازاں محمد عاصم صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ راولپنڈی بزم کے رُکن جناب عابد حسین صاحب نے طلوعِ اسلام کے لٹریچر کو انٹرنیٹ کے ذریعے وسعت دینے اور کمپیوٹرائزڈ کرنے کے سلسلہ میں ذاتی کوششوں پر ایک پریزینٹیشن دی۔ ان کے بعد منیجر طلوعِ اسلام

ٹرسٹ نے ٹرسٹ کی کارگردگی کے حوالہ سے ایک پریذینٹیشن دی جس میں انہوں نے انٹرنیٹ پر ہونے والے کام، پرویز صاحب کی کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم اور طلوع اسلام ٹرسٹ کی کمپیوٹر کمپوزڈ مطبوعات پر ہونے والے کام کے متعلق حوصلہ افزاء معلومات بہم پہنچائیں۔ نمازِ مغرب اور چائے کے وقفہ کے بعد محترم عاطف طفیل صاحب نے ''Science of Persuasion'' کے عنوان سے ایک ورکشاپ منعقد کی جس میں اراکینِ بزم کو نہایت مفید معلومات بہم پہنچائی گئیں۔
اس طویل ورکشاپ کے بعد ایک وقفہ کیا گیا اور اس کے بعد محترم محمد اقبال صاحب نمائندہ طلوع اسلام بزم کراچی صدر نے ''مفہوم القرآن سافٹ وئیر'' کے حوالہ سے ایک پریذینٹیشن دی۔ اس میں انہوں نے سافٹ وئیر کی تیاری اور لانچنگ کے حوالہ سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ اس کے علاوہ بزم کراچی صدر کے دیگر بہت سے اہم پراجیکٹس، جیسا کہ دروس القرآن کی میموری کارڈ میں منتقلی، بہت سی کتابوں کی آڈیو بکس کی تیاری وغیرہ شامل ہے، سے متعلق مفید معلومات مہیا کیں۔ تمام پریذینٹیشنز ملٹی میڈیا کے ذریعے دی گئیں۔ نمازعشاء کے بعد عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد بھی مختلف بزموں کے احباب بہت سی ٹولیوں میں بیٹھ گئے اور فکرِ قرآنی سے متعلق رات گئے تک مصروفِ گفتگو رہے۔
یکم نومبر کی صبح ناشتہ کے بعد سیمینار کا پروگرام قریب ہی واقع ایک بڑے ہال میں منعقد کیا گیا۔ تقریباً 11 بجے ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ محترم محمد عمر صاحب نے مائیک سنبھالتے ہوئے سوات سے تشریف لائے غلام الرحمٰن کو تلاوتِ قرآن کے لیے دعوت دی۔ اس کے بعد چیئرمین ادارہ محمد اکرم راٹھور صاحب نے کلامِ اقبال ترنم سے پڑھا اور خطبۂ افتتاحیہ دیا۔ بعد میں مختلف مقررین کے اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ صدرِ مجلس ڈاکٹر انعام الحق صاحب کے صدارتی خطبہ کے ساتھ سہ پہر ساڑھے تین بجے کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے تمام مقررین کے کلام پر مختصر تجزیاتی کلمات ادا کرتے ہوئے سیمینار کے اِختتام کا اعلان کیا۔ بعد ازاں محمد عمر صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام نے حاضرین کو کھانے کا مژدۂ جاں فزا سنایا۔
دوروزہ سرگرمیوں سے بھرپور یہ اجتماع یکم نومبر کی رات کو پرخلوص دعاؤں اور دوبارہ ملنے کی شدید تمناؤں کے ساتھ ختم ہوا۔ پس منظر میں کہیں دور سے آواز سنائی دے رہی تھی!

بھاویں ہجر تے بھاویں وصال ہووے
وکھو وکھ دوواں دیاں لذتاں نیں

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ
Cell: 0321-4460787 Phone: 042-35714546

اجلاس جنرل کونسل ادارہ طلوعِ اسلام

منعقدہ مورخہ 31 اکتوبر 2015ء

اجلاس جنرل کونسل کے دوران بزم ہائے طلوع اسلام کے نمائندگان

محمد عمر، بزم لاہور

پروفیسر ڈاکٹر صالحہ نغمی، بزم خواتین لاہور

خورشید انور، وائس چیئرمین ادارہ

محمد اقبال، بزم کراچی صدر

آصف جلیل، بزم کراچی ملیرسٹی

اعجاز رسول، بزم ہائے یو۔ کے

خان محمد، بزم منڈی بہاؤالدین

عقیل حیدر، بزم فیصل آباد

اجلاس جنرل کونسل کے دوران بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان

ڈاکٹر سلیم قمر، بزم پنج کسی

احمد علی، بزم اوکاڑہ

احمد نواز، بزم ایبٹ آباد

چوہدری دلمیر خان، بزم چینوٹ

محمد اقبال، بزم سرگودھا

محمد حنیف، بزم سیالکوٹ

ملک محمد سلیم، بزم راولپنڈی

ڈاکٹر محمد یونس جاوید، بزم غلام محمد آباد، فیصل آباد

پریزنٹیشن: محمد اقبال صاحب (نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر)

پریزنٹیشن: عابد حسین صاحب (بزم طلوع اسلام راولپنڈی)

رپورٹ طلوع اسلام ٹرسٹ از منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

محترم عاطف طفیل صاحب کی "Science of Persuasion" کے عنوان سے ورکشاپ

سیمینار ادارہ طلوعِ اسلام

منعقدہ مورخہ یکم نومبر 2015ء

محمد عمر نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے

غلام الرحمٰن تلاوتِ قرآنِ کریم کے دوران

عقیل حیدر نعتیہ کلام پیش کرتے ہوئے

محمد اکرم راٹھور علامہ اقبال کی نظم پڑھتے اور خطبۂ افتتاحیہ دیتے ہوئے

خورشید انور اظہارِ خیال کرتے ہوئے

پروفیسر ڈاکٹر صالحہ نغمی، بزمِ خواتین لاہور

مزمل حسنین تقریر کے دوران

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

عاطف طفیل اپنے انداز میں تقریر کرتے ہوئے

سماعت گاہ کا ایک منظر

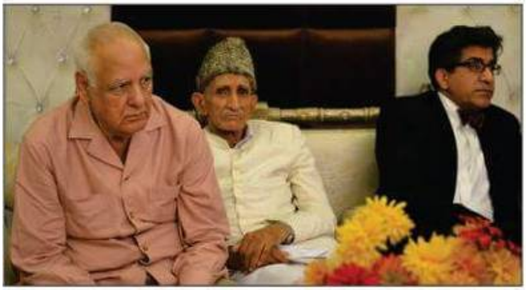

اسٹیج پر موجود مہمانان خصوصی ڈاکٹر حامد اے میاں وائس چیئرمین ادارہ، حنیف وجدانی، ڈاکٹر انعام الحق صدرِ مجلس اور خورشید انور وائس چیئرمین ادارہ

ذروہ عروج اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

سامعینِ کرام

ڈاکٹر طاہرہ اکرم اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

ڈاکٹر عبدالرزاق اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے

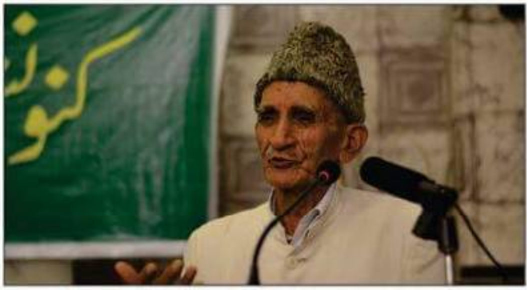

حنیف وجدانی اشعارِ اقبال پیش کرتے ہوئے

محمد اقبال اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

پروفیسر عبدالرؤف بھٹہ عربی کے رموز سکھاتے ہوئے

حاضرینِ مجلس کا ایک منظر

اقبال ادریس، منگورہ سوات

عبداللہ ثانی منفرد انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

محمد شکیل مغل اظہارِ خیال کے دوران

خالد فاروقی اظہارِ خیال کرتے ہوئے

عافیہ فاروقی تقریر کرتے ہوئے

سامعین کرام کا ایک منظر

اعجاز رسول صاحب تقریر کرتے ہوئے

ڈاکٹر حامد اے میاں وائس چیئرمین ادارہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے

صدرِ مجلس، ڈاکٹر انعام الحق صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے

سامعین کرام

ادارہ

معراجِ نبوی ﷺ کے دو رُخ

پرویز صاحب کی تقریر جو انہوں نے 7 جون 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے براڈ کاسٹ کی تھی۔
(ادارہ)

کائنات میں جب سے شعورِ انسانی نے آنکھ کھولی ہے، زندگی اور اس کے متعلقہ مسائل اس کے لیے ہمیشہ وجۂ کاوش و اضطراب رہے ہیں۔ انسان کیا ہے؟ جوئے زندگی کا سرچشمہ کونسا ہے؟ اس کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ کاروانِ حیات کی منزل کونسی ہے؟ مرنے کے بعد انسان پر کیا گذرتی ہے؟ یہ اور اسی قسم کے اور سوالات، ذہنِ انسانی میں پیدا ہوتے رہے اور علمِ انسانی ان کے اطمینان بخش حل کی تلاش میں ہمیشہ طلسم پیچ و تاب بنا رہا۔ فکر انسانی کی پوری تاریخ انہی سوالات کے حل کی تلاش کی مسلسل داستان ہے اور یونان کی حکمت گاہیں اور ایران کے آتش کدے، ہندوستان کی غاریں اور شام کی خانقاہیں سب اسی داستان کے بکھرے ہوئے اوراق ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ فکر انسانی نے اس باب میں بڑی کدوکاوش سے کام لیا ہے لیکن جہاں وہ ایک طرف ان مسائل کی گہرائیوں اور بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا ہے ایک جویائے حقیقت کے لیے یہ امر بھی کچھ کم باعثِ حیرت نہیں کہ وہ دوسری طرف اس سطحیت پر آ کر رک بھی گیا ہے کہ ؎

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا

اگر آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت اُبھر کر آپ کے سامنے آجائے گی کہ یہ مادی نظریۂ زندگی، یہ میکانکی تصورِ حیات، یہ دعویٰ کہ اندھی فطرت کے ایک ہنگامی عمل سے انسان میں زندگی نمودار ہوگئی اور اس کی موت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوجائے گا، فکرِ انسانی کے تجسس و کاوش کا ماحصل نہیں بلکہ ادراکِ حقیقت میں اس کے عجز و واماندگی کا اعتراف ہے، یہ منزل پر پہنچے ہوئے مسافر کا سکون نہیں بلکہ تھک کر راستے میں بیٹھ جانے والے درماندہ راہرو کی صدائے دردناک ہے۔ یہ زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا عزم نہیں بلکہ اس سے گریز و فرار کا پُرفریب گوشۂ عافیت ہے۔ اس نظریہ کی ابتداء یونان کی ابیقوریت سے ہوئی لیکن یہ اپنے شباب پر یورپ کی عشرت گاہوں میں بیسویں صدی میں آ کر پہنچا۔ لیکن یہ نظریہ اس قدر علم حقیقت کے

خلاف اور سطحیت کی کمزور بنیادوں پر استوار تھا کہ ابھی اپنی جوانی کی چند بہاریں بھی دیکھنے نہ پایا تھا کہ خود یورپ کے مفکرین کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوگیا اور انہی تجربہ گاہوں ۔۔۔ سے جن میں اس نے نشوونما پائی تھی، ایڈنگٹن کے الفاظ میں یہ آوازیں اٹھنی شروع ہوگئیں کہ:

''ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انسان خالص طبعی عناصر سے ایک مختلف اور جداگانہ شے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ نظریہ کس طرح علم وحقیقت کے خلاف ثابت ہوا، یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اس نے اس کائنات میں انسان کے مرتبۂ بلند کو کس طرح ذلت کی پستیوں میں گرادیا۔ اس سے انسان ایک مشین بن کر رہ گیا یا زیادہ سے زیادہ حیوان۔ زندگی نام رہ گیا ارتباط جسم وجان کے لیے روٹی کا اور انسانی جدوجہد کا ماحصل، اس روٹی کا حصول، نہ انسان کے لیے کوئی نصب العین رہا نہ زندگی کے لیے کوئی درخشندہ اقدار، زندگی بلا مقصد، مستقبل تاریک۔ اس کا لازمی نتیجہ وہ تصادم وتزاحم تھا جس نے یورپ اور اس کے ساتھ ساری دنیا کو اس طرح جہنم زار بنا رکھا ہے۔''

ڈاکٹر میسن کے الفاظ میں:

''ہمارے دور میں خوشحالی اس قدر فراواں ہے کہ باید وشاید، عیش وعشرت کے سامان ہر جگہ موجود ہیں، مادی کامیابی کے مواقع نچلے سے نچلے درجے کے انسانوں تک کو میسر ہیں۔ لیکن انسان بے حد مضطرب وبے قرار ہے۔ تخلیق کی قوتِ محرکہ کبھی مستقل طور پر ایسے نظریہ کو سینے سے لگائے نہیں رکھ سکتی جو انسانی ذات کو محض مادے کی نمود قرار دے، ایسے نظریہ کے ماتحت افراد اور قومیں دونوں تباہ ہوکر خاک میں مل جاتی ہیں۔''

یہ تھا مادی نظریۂ حیات۔

حکمتِ یونان کے ایک اور گوشے نے جس میں فیثاغورث کا نام ممتاز حیثیت رکھتا ہے، تسلسلِ حیات کا اعتراف تو کیا لیکن اس نے زندگی کو اس آب وگل کی دنیا میں چکر دینے شروع کردیئے جس سے اس کا تسلسل دوری حرکت میں تبدیل ہوکر بے نتیجہ بن کر رہ گیا اور افقِ زندگی پر مایوسی کی ظلمت ناک گھٹائیں چھا گئیں۔

لیکن قرآن نے انسان کو ایک نیا تصورِ حیات دیا جس نے دنیائے فکر وعمل میں انقلاب پیدا کردیا۔ اس نے کہا کہ زندگی ایک جوئے رواں ہے اور موت سے اس کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ اس سے ہوتا صرف اس قدر ہے کہ یہ ندی، پہاڑ کی اوٹ میں جا کر تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ کاروانِ حیات ایک شاہراہ عظیم یعنی صراطِ مستقیم پر ایک حسین وجمیل منزل کی طرف بڑھے جارہا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر خالقِ کائنات کا قانونِ مشیت ساری کائنات کو رواں دواں اور کشاں کشاں

لیے جارہا ہے اور خالقِ کائنات، رب ذی المعارج یعنی بلندیوں کا خدا ہے اس لیے یہ صراطِ مستقیم نہ صرف سیدھی راہ ہے بلکہ بلندیوں کی طرف لے جانے والی بھی ہے۔ لہٰذا زندگی کی حرکت دَوری نہیں بلکہ عمودی اور ارتقائی ہے۔ بلند سے بلندتر مقامات تک لے جانے والی۔ خاک کے ذرّے، اپنی ارتقائی منزل طے کر کے انسانی پیکر میں متشکل ہو گئے۔ اب اس کے بعد یہ ارتقاء، طبیعی ارتقاء (Physical Evolution) نہیں بلکہ شرفِ انسانیت کا ارتقاء ہوگا۔ اس عروج وارتقاء سے انسان، قرآن کے الفاظ میں اقطار السمٰوٰت والارض یعنی اس طبیعی کائنات (Physical Universe) کی حدود سے آگے نکل سکتا ہے۔ وہ قوت جس سے انسان، شرف انسانیت کی ان تحیر انگیز بلندیوں تک جا پہنچتا ہے۔ ضمیر کائنات یعنی قوانین خداوندی کی ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی کا نام اطاعتِ خداوندی ہے جو درحقیقت قوت وحیات کے اس سرچشمۂ حقیقی سے رفاقت کا نام ہے، اسی اطاعت ورفاقت کو اسلام کہتے ہیں اور اس کی مکمل تفسیر، مقام محمدی میں ملتی ہے۔ اس لیے مقام محمدی شرفِ انسانیت کے نقطۂ کمال کا ترجمان ہے اور اس کا نام انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ پیامِ محمدی نے (جو وحی کے ذریعے صرف رسول ہی کو مل سکتا تھا) انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آشنا کرادیا اور اسے بتادیا کہ مادی دنیا، ارتقائے انسانیت کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کی تسخیر اور صحیح مقصد میں اس کا صرف، اس ارتقاء کے لیے ممدومعاون ہوتا ہے۔ درخت کی جڑیں اس لیے خاک میں پیوست ہوتی ہیں کہ اس کی شاخیں آسمان کو چھولیں۔ اس تسخیر مادہ سے، خود مادہ کے اندر روح کی نمود ہوجاتی ہے اور اس طرح انسان اپنی ارتقائی منازل طے کرتا اقطار السموات والارض یعنی کائنات کی چاردیواری سے بلند ہوتا جاتا ہے یہی معراج انسانیت ہے جس کے فقدان سے آج انسان بایں ہمہ ادعائے علم وتحقیق، جہالت کی پستیوں میں گرتا جارہا ہے اور جس کی تصویر میسن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

''ہمارے دور میں جس چیز کی کمی ہے وہ انسانی خودی ہے جس کی نمود مادہ اور روح دونوں میں ہونی چاہئے۔ انسان مادی کامرانیوں میں ڈوبا ہوا پریشان اور ایک عجیب الجھاؤ میں ہے اس لیے کہ اس کی ذات اپنے آپ کو مادہ سے بلند نہیں لے جاسکتی بلکہ مادہ کے اندر ڈوبی ہوئی محسوس کرتی ہے۔ اس کا ضطراب اس لیے ہے کہ اس کا تحت الشعور یہ چاہتا ہے کہ وہ ثابت کردے کہ وہ مادہ سے جن چیزوں کی تخلیق کرتا ہے خود ان سے کچھ بیش ہے۔ وہ مادی کاری گری کو بحال رکھنا چاہتا ہے اس لیے کہ اس کی قوتِ تخلیق کی مدد کے لیے یہ ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو مادیت سے بلند لے جائے اور اس کی ذات کا اندازہ اس کی مادی تخلیق سے لگایا جائے بلکہ اس سے کہ وہ خود کیا ہے۔''

سلام ہو اس ذات اقدس واعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس نے انسان کو بتایا کہ وہ مادی کاریگری کو بحال رکھتے ہوئے کس طرح

اپنے آپ کو مادہ کی چار دیواری سے بلند لے جاسکتا ہے اور صرف بتایا ہی نہیں بلکہ خود معراجِ انسانیت کے اس افقِ اعلیٰ پر متمکن ہوکر دکھا دیا کہ ان بلند مقامات تک پہنچنے کی راہ کونسی ہے۔ اگر مسلمان دنیا میں معراجِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد قائم رکھنا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ یہ اپنے آپ کو ایک ایسی ملت ثابت کرے جس کے سامنے زندگی کا بلند نصب العین ہو اور دل میں اس نصب العین کے حصول کی تڑپ۔ جس کی نگاہ پاک ہو اور حوصلہ بیباک، سینہ کشادہ ہو اور ہمت بلند۔ جو کائنات کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں تعمیرِ انسانیت کے پاکیزہ مقصد میں صرف کرے اور اس طرح خود بھی خار و خسِ چمن ہونے کی بجائے شاخِ نہالِ سدرہ بن جائے اور اپنے ساتھ ساری دنیا کو اس جہانِ آب و گل کی پستیوں سے نکال کر فلک الافلاک کی بلندیوں تک لے جائے۔

یہ نیلگوں فضاء جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پر کُشا تو حقیقت میں کچھ نہیں

---

(2)

(سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ریڈیو کی تقریر جو ترجمان القرآن بابت اگست 1951ء میں شائع ہوئی تھی)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کے منصب پر سرفراز ہوئے بارہ سال گذر چکے تھے 52 برس کی عمر تھی۔ حرم کعبہ میں سو رہے تھے۔ یکا یک جبریلؑ فرشتے نے آکر آپ کو جگایا۔ نیم خفتہ و نیم بیدار حالت میں اٹھا کر آپ کو زمزم کے پاس لے گئے۔ سینہ چاک کیا۔ زمزم کے پانی سے اس کو دھویا۔ پھر اسے علم اور بردباری اور دانائی اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ اس کے بعد آپ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا جس کا رنگ سفید اور قد خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ برق کی رفتار سے چلتا تھا اور اسی مناسبت سے اس کا نام "براق" تھا۔ پہلے انبیاء بھی اس نوعیت کے سفر میں اسی سواری پر جایا کرتے تھے۔ جب آپ سوار ہونے لگے تو وہ چمکا، جبرائیلؑ نے تھپکی دے کر کہا، دیکھ کیا کرتا ہے، آج تک محمدؐ سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے۔ پھر آپ اس پر سوار ہوئے اور جبرائیلؑ آپ کے ساتھ چلے۔ پہلی منزل مدینہ کی تھی جہاں اتر کر آپ نے نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ نے کہا اس جگہ آپ ہجرت کر کے آئیں گے۔ دوسری منزل طور سینا کی تھی جہاں خدا حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوا۔ تیسری منزل بیتِ لحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چوتھی منزل بیت المقدس تھا جہاں براق کا سفر ختم ہوا۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا اِدھر آؤ۔ آپ نے توجہ نہ کی جبرائیلؑ نے بتایا یہ یہودیت

کی طرف بلا رہا تھا دوسری طرف سے آواز آئی اِدھر آؤ، آپ اس کی طرف بھی ملتفت نہ ہوئے۔ جبرائیلؑ نے کہا یہ عیسائیت کا داعی تھا۔ پھر ایک عورت نہایت بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپ نے اس سے بھی نظر پھیر لی۔ جبرائیلؑ نے کہا یہ دنیا تھی۔ پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی۔ جبرائیلؑ نے کہا دنیا کی عمر کا اندازہ اس کی عمر سے کر لیجئے۔ پھر ایک اور شخص ملا جس نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر آپ اسے بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبرائیلؑ نے کہا یہ شیطان تھا جو آپ کو راستہ سے ہٹانا چاہتا تھا۔

بیت المقدس پہنچ کر آپ براق سے اتر گئے اور اسی مقام پر اُسے باندھ دیا جہاں پہلے انبیاء اس کو باندھا کرتے تھے۔ ہیکلِ سلیمانی میں داخل ہوئے تو ان سب پیغمبروں کو موجود پایا جو ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؐ کے پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں۔ سب منتظر تھے کہ امامت کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔ جبرائیلؑ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے ایک میں پانی، دوسرے میں دودھ، تیسرے میں شراب، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبرائیلؑ نے مبارکباد دی کہ آپ فطرت کی راہ پا گئے۔

اس کے بعد ایک سیڑھی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور جبرائیلؑ اس کے ذریعے سے آپ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ سارا واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہوا۔

پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ محافظ فرشتوں نے پوچھا کون آتا ہے؟ جبرائیلؑ نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرائیلؑ نے کہا محمدؐ۔ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں تب دروازہ کھلا اور آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں آپ کا تعارف فرشتوں اور انسانی ارواح کی اُن بڑی بڑی شخصیتوں سے ہوا جو اس مرحلہ پر مقیم تھیں۔ ان میں نمایاں شخصیت ایک ایسے بزرگ کی تھی جو انسانی بناوٹ کا مکمل نمونہ تھے۔ چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں کسی پہلو سے کوئی نقص نہ تھا۔ جبرائیلؑ نے بتایا یہ آدم (علیہ السلام) ہیں، آپ کے مورثِ اعلیٰ۔ اِن بزرگ کے دائیں بائیں بہت لوگ تھے۔ وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ نسل آدمؑ ہے۔ آدمؑ اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بُرے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

پھر آپ کو تفصیلی مشاہدہ کا موقع دیا گیا۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹتے جاتے ہیں اتنی ہی وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جن کی سرگرانی

انہیں نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے۔ پوچھا یہ کون احمق ہے؟ کہا گیا یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لادے چلا جاتا تھا۔

پھر یہ دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کیا کرتے تھے۔

ایک اور جگہ دیکھا کہ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس سے ایک بڑا موٹا سا بیل نکل آیا۔ پھر وہ بیل اسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا مگر نہ جا سکا۔ پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا یہ اس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کر جاتا ہے پھر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ دوسروں پر زبانِ طعن دراز کرتے تھے۔ انہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزت پر حملے کیا کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ یتیموں کا مال ہضم کرتے تھے۔ پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گذرتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ سود خوار ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس چکنا گوشت رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت، جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے حلال بیویوں اور شوہروں کے ہوتے حرام سے اپنی خواہشِ نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے سر ایسے بچے منڈھ دیئے جو اُن کے نہ تھے۔

انہی مشاہدات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت تُرش رُوئی سے ملا۔ آپؐ نے جبرائیلؑ سے پوچھا اب تک جتنے فرشتے ملے تھے سب خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ ان حضرت کی خشک

مزاجی کا کیا سبب ہے؟ جبرائیلؑ نے کہا اس کے پاس ہنسی کا کیا کام، یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے یکا یک آپ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہوگئی۔

اس مرحلہ سے گذر کر آپ دوسرے آسمان پر پہنچے۔ یہاں کے اکابر میں دو نوجوان سب سے ممتاز تھے تعارف پر معلوم ہوا یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں۔

تیسرے آسمان پر آپ کا تعارف ایک بزرگ سے کرایا گیا جن کا حسن عام انسانوں کے مقابلہ میں ایسا تھا جیسے تاروں کے مقابلہ میں چودھویں کا چاند۔ معلوم ہوا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ، پانچویں پر حضرت ہارونؑ، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ آپ سے ملے۔ ساتویں آسمان پر پہنچے تو ایک عظیم الشان محل (بیت المعمور) دیکھا جہاں بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے۔ اس کے پاس آپ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو خود آپ سے بہت مشابہ تھے تعارف پر معلوم ہوا حضرت ابراہیمؑ ہیں۔

پھر مزید ارتقاء شروع ہوا یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو پیش گاہِ رب العزت اور عالمِ خلق کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیچے سے جانے والے یہاں رُک جاتے ہیں اور اوپر سے احکام اور فرامین براہ راست یہاں آتے ہیں۔ اسی مقام کے قریب آپ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گذر سکا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبرائیلؑ ٹھہر گئے اور آپ تنہا آگے بڑھے۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہِ جلال سامنے تھی ہم کلامی کا شرف بخشا گیا جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

(2) سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔

(3) شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا۔

(4) ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

پیشیٔ خداوندی سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے روداد سن کر کہا میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں، میرا اندازہ ہے کہ آپ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کرسکتی۔ جایئے اور کمی کے لیے عرض کیجئے۔ آپ گئے اور اللہ جل شانہٗ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی۔ ان کے کہنے پر آپ بار بار اوپر جاتے

رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

واپسی کے سفر میں آپ اسی سیڑھی سے اتر کر بیت المقدس آئے، یہاں پھر تمام پیغمبر موجود تھے۔ آپ نے ان کو نماز پڑھائی جو غالباً فجر کی تھی۔ پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس پہنچ گئے۔

صبح سب سے پہلے آپ نے اپنی چچازاد بہن امِ ہانی کو یہ روداد سنائی۔ پھر باہر نکلنے کا قصد کیا۔ انہوں نے آپ کی چادر پکڑ لی اور کہا خدا کے لیے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنایئے گا ورنہ ان کو آپ کا مذاق اڑانے کے لیے ایک اور شوشہ ہاتھ آجائے گا مگر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ حرم کعبہ میں پہنچے تو ابوجہل سے آمنا سامنا ہوا۔ اس نے کہا کوئی تازہ خبر؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا؟ فرمایا یہ کہ میں آج کی رات بیت المقدس گیا تھا۔ کہا بیت المقدس؟ راتوں رات ہو آئے؟ اور صبح یہاں موجود ہو؟ فرمایا ہاں۔ کہا قوم کو جمع کروں؟ سب کے سامنے یہی بات کہو گے؟ فرمایا بے شک، ابوجہل نے آوازیں دے دے کر سب کو جمع کر لیا اور کہا لو اب کہو۔ آپؐ نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کر دیا۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کیا۔ دو مہینے کا سفر ایک رات میں؟ ناممکن! محال! پہلے تو شک تھا، اب یقین ہو گیا کہ تم دیوانے ہو گئے ہو۔

آناً فاناً یہ خبر تمام مکہ میں پھیل گئی۔ بہت سے مسلمان اس کو سن کر اسلام سے پھر گئے۔ لوگ اس امید پر حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے کہ یہ محمدؐ کے دستِ راست ہیں، یہ پھر جائیں تو اس تحریک کی جان ہی نکل جائے انہوں نے یہ قصہ سن کر کہا اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہوگا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر حضرت ابوبکرؓ حرم کعبہ میں آئے۔ رسول اللہؐ موجود تھے اور ہنسی اُڑانے والا مجمع بھی۔ پوچھا کیا واقعی آپ نے ایسا فرمایا ہے؟ جواب دیا ہاں۔ کہا بیت المقدس میرا دیکھا ہوا ہے، آپ وہاں کا نقشہ بیان کریں۔ آپ نے فوراً نقشہ بیان کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک چیز اس طرح بیان کی گویا بیت المقدس سامنے موجود ہے اور دیکھ دیکھ کر اس کی کیفیت بتا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس تدبیر سے جھٹلانے والوں کو ایک شدید ضرب لگی۔ وہاں بکثرت ایسے آدمی موجود تھے جو تجارت کے سلسلہ میں بیت المقدس جاتے رہتے تھے۔ وہ سب دلوں میں قائل ہو گئے کہ نقشہ بالکل صحیح ہے۔ اب لوگ آپ کے بیان کی صحت کا مزید ثبوت مانگنے لگے۔ فرمایا جاتے ہوئے میں فلاں مقام پر فلاں قافلہ پر سے گذرا جس کے ساتھ یہ یہ سامان تھا، قافلے والوں کے اونٹ براق سے بھڑکے۔ ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا۔ میں نے قافلہ والوں کو اس کا پتہ بتایا۔ واپسی میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کا قافلہ مجھے ملا، سب سو رہے تھے، میں نے ان کے برتن سے پانی پیا اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس سے پانی پیا گیا ہے۔ ایسے ہی کچھ اور اَتے پتے آپ نے دیئے اور بعد میں آنے والے قافلوں سے ان کی تصدیق ہوئی۔ اس طرح زبانیں بند ہو گئیں مگر دل یہی سوچتے رہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج بھی بہت سے لوگ سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوا؟

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

مورخہ 21 اکتوبر 2015ء کے اخبار ''ڈیلی ڈان'' میں ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے صدر فتنہ انگیز مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اصل الفاظ ہیں:

CII chief wants to tackle " Incendiary Issues"

اس خبر میں تحریر ہے کہ حضرت مولانا محمد خاں شیرانی چیئر مین CII نے فرمایا کہ اگر ان کے ساتھیوں نے ان سے تعاون کیا تو وہ تین متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تین امور یہ ہیں:

(1) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ احمدی حضرات غیر مسلم ہیں یا مرتد ہیں۔ کیونکہ عام عقیدہ ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے۔

(2) انہوں نے دوسرا مسئلہ یہ فرمایا کہ جزیہ ایک مذہبی ٹیکس ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس کو پاکستان کے غیر مسلموں پر لگایا جائے یا نہیں۔

(3) مولانا کے سامنے تیسرا مسئلہ فرقوں سے متعلق ہے۔ حضرت کا خیال یہ ہے کہ یہ بات طے کی جائے کہ اسلام کے فرقوں میں سے کون سا فرقہ اسلام کے دائرہ میں آتا ہے اور کونسا فرقہ اسلام کی حد (Ambit) سے باہر ہے۔

اس خبر میں یہ اضافہ بھی کیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ مسائل کونسل کے ایجنڈے میں کافی عرصہ سے شامل ہیں۔ لیکن کونسل کے ممبران ان امور پر بحث کرنے سے اجتناب ہی کررہے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس سے معاشرہ کے جذبات مجروح ہوں گے۔

ایک سینئر جرنلسٹ جناب زاہد حسین صاحب نے ڈان سے یہ بات کہی کہ کونسل نے اس درجہ غیر معقولیت ظاہر کی ہوئی ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں کرتا۔

ہم نے خبر کا ملخص پیش خدمت عالی کر دیا ہے۔

قرآن کریم کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسانیت کے ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے (40/60)۔ اس کا یہی دعویٰ اس کے وحی الٰہی ہونے کی دلیل ہے، اگر قرآن کریم انسانیت کے مسائل حل نہیں کرتا تو وہ وحی الٰہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم انسانیت کے مسائل اسلامی نظام کی معرفت حل کرتا ہے۔ اگر آپ اسلامی نظام قائم نہیں کرتے، اور انسانی ذہن کے وضع کردہ نظام جاری کرتے ہیں، تو قرآن کریم مسائل حل کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ قرآن کریم وعدہ کرتا ہے کہ اس

کی روشنی میں نافذ کئے گئے نظام میں وہ ایک ایک شخص کو رزق فراہم کرے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ اسلامی نظام کی سرپرستی میں ہر شخص رات اس حالت میں گذارے گا کہ اس نے کھانا کھایا ہوگا۔ اس میں کوئی شخص بھوک کی حالت میں رات نہیں گذارے گا۔ حضرت عمرؓ نے تو انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی اس میں شامل فرمالیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرجائے تو اس کی ذمہ داری عمر کے اوپر ہے۔ لیکن اگر آپ اپنا وضع کردہ معاشی نظام جاری کریں گے۔ جس میں لوٹ مار کی کلّی اجازت ہوگی جس میں ملک کے لیڈروں نے اربوں روپے باہر کے ممالک کے بینکوں میں رکھے ہوں گے۔ کثیر رقومات سوئس Swiss بینکوں میں ہوگی۔ ملکیت زمین قرآن کی رو سے حرام ہے، لیکن جب ملک میں جاگیرداروں نے زمینوں پر قبضہ کیا ہو۔ معاوضہ محنت کی بجائے سرمایہ کا ہو۔ تو اس معاشی نظام میں رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر نہیں رہتی اور نہ ہی قرآن ان کے معاشی مسائل حل کرسکتا ہے۔ جو مملکت اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، تو اس میں مسائل کا حل خود مملکت تلاش کرتی ہے۔ اس میں الگ کونسل آف آئیڈیالوجی بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نظام میں ساری کونسلیں، عدالتیں، تحصیلیں، تھانے، سب اسلامی ادارے ہیں اور یہ مساجد اللہ ہوتے ہیں۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ پاکستان میں اس وقت حد درجہ اس بات کی کوشش ہورہی ہے کہ ملک میں انتہا پسندی اور تنگ نظری کو دور کیا جائے۔ مولانا محترم کے سامنے جو تین امور ہیں وہ تینوں امور سخت تنگ نظری اور تاریک خیالی پر مبنی ہیں اور ہر مسئلہ کے حل میں فتنہ انگیزی مضمر ہے۔ پیشتر اس سے کہ ان امور پر الگ الگ گفتگو کی جائے پہلے ہم ان قوانین یعنی اسلامی فقہ یا اسلامی شریعت کا تھوڑا سا تعارف عرض کردیں، جن قوانین کے مطابق مولانا شیرانی صاحب فیصلے کرتے ہیں اور جس فقہ کے مطابق وہ ان تینوں امور کے فیصلے کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ہاں جس چیز کو اسلامی فقہ، اسلامی لاء یا اسلامی شریعت کہا جاتا ہے، اصل یہ ہے کہ یہ نام ہی گمراہ کن Deceptive ہے۔ یہ اسلامی قوانین نہیں ہیں بلکہ یہ مسلمانوں کے مختلف زمانوں کے اپنے وضع کردہ قوانین ہیں جب یہ قانون وضع کئے گئے تھے اس وقت دین کا کوئی تصور باقی نہیں رہا تھا اور دین کو مذہب میں تبدیل ہوئے عرصہ دراز گذر چکا تھا۔ اس لیے یہ اسلامی قوانین نہیں ہیں۔

پہلے آپ یہ ملاحظہ کریں کہ واقعاً اسلامی قوانین کس طرح بنتے تھے پھر آپ کو موجودہ فقہ کے اسقام و عیوب خود معلوم ہوجائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت کوشش اور محنت شاقہ کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کی موجودگی میں حضورؐ ہی اس کے سربراہ ہوسکتے تھے۔ یہ ریاست دس لاکھ مربع میل پر وسیع تھی اس لیے اتنی بڑی ریاست کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تن تنہا نہیں چلا سکتے تھے۔ حضورؐ نے اپنی مدد کے لیے اور اس ریاست کو رَواں دَواں رکھنے کے لیے مقامی حکام مقرر فرمائے تھے۔ یہ مقامی حکام قریہ قریہ، گاؤں گاؤں مقرر فرمائے گئے اور قرآنِ کریم نے ان کو اولوالامر کے نام سے موسوم کیا۔ قرآنِ کریم نے ان مقامی مقام، اولوالامر کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے(4:59)۔ اس اسلامی ریاست کے باشندے اپنے مقدمات وتنازعات کے فیصلے ان مقامی حکام سے ہی کرا لیتے تھے، اور ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ان اولوالامر کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت تھی اور یہ ایک نظام کی اطاعت تھی۔ اس طرح قرآن کریم انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر براہ راست اللہ تعالیٰ کی محکومیت میں لے آیا۔ قرآن کریم اس ریاست کا کانسٹی ٹیوشن تھا(5:48) اور قرآنِ کریم اس ریاست کو چلانے کے لیے اصول دیتا چلا جارہا تھا۔ حضورؐ ان اصولوں کو عملاً نافذ فرماتے جارہے تھے اور ان اصولوں کی جزئیات بھی مقرر فرمارہے تھے حضورؐ کی تجویز کردہ جزئیات کو ہی مقامی حکمران بھی Carry out کرتے تھے اور اس طرح اسلامی قوانین وجود میں آتے جارہے تھے۔ حضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد یہ ریاست قائم رہی اور اس کے مشورے کے بعد حضرت ابوبکرؓ اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ قرآنِ کریم کے اصولوں کی جزئیات مقرر کرکے ان کو عملاً جاری فرمائیں۔ وہ قرآنِ کریم کے اصول اور ان کی جزئیات جاری فرماتے تھے اور یہ غور فرمالیتے تھے کہ حضور نے اس اصول کی کیا جزئیات مقرر فرمائی ہیں۔ اگر وہ جزئیات حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ رہتی تھیں تو حضرت ابوبکرؓ ان کو اسی طرح جاری فرمادیتے تھے ورنہ ان میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ردوبدل کردیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دور بہت مختصر تھا۔ اس لیے تبدیلی کے مواقع بہت کم آئے البتہ حضرت عمرؓ کا دور نسبتاً طویل تھا تو ان کے دورِ خلافت میں ان جزئیات میں زیادہ ترمیمات ہوئیں اور یہ ترمیمات چالیس تھیں جو اولیاتِ عمر کے نام سے موسوم ہیں اور شاہ ولی اللہؒ صاحب نے ان کو یکجا بھی بیان کیا ہے۔ اس طرح اسلامی قانون Develop ہوتا چلا گیا۔ اسلامی قانون کے لیے شرط ہے کہ وہ قانون اسلامی نظام جاری کرتا ہے۔ اسلامی نظام کے جاری کردہ قوانین ہی اسلامی ہوتے ہیں ان قوانین میں نہ تو فرقہ بندی کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی پبلک لاء اور پرسنل لاء کی تفریق ہوتی ہے۔ اسلامی مملکت کے ان قوانین کی اطاعت، اللہ کی عبادت اور رسولؐ کی اطاعت ہوتی ہے۔ یہ ہے صحیح طریقہ اسلامی قوانین کے وضع کرنے کا۔

اس کے برخلاف آپ ان قوانین پر غور فرمائیں جو ہمارا موجودہ فقہ کہلاتا ہے اور جس کو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ فقہ امام ابوحنیفہؒ کا تحریر کردہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ انہوں نے کوئی کتاب تحریر ہی نہیں کی تھی۔ ہمارا موجودہ فقہ بنوعباس کے دور میں معرضِ وجود میں آیا۔ بنوعباس کی حکومت اسلامی حکومت نہیں تھی۔ وہ صرف مسلمانوں کی حکومت تھی۔ بنوعباس کے اکثر خلفاء نہایت آوارہ اور بدچلن تھے۔ ان کے حرم میں دودو ہزار کنیزیں

موجود ہوتی تھیں۔ چونکہ موجودہ فقہ کے قوانین اسلامی حکومت کے وضع کردہ قوانین نہیں ہیں۔ اس لیے یہ اسلامی قانون نہیں ہیں۔ اسلامی قانون صرف وہ ہوتا ہے جو اسلامی حکومت جاری کرتی ہے۔ شراب حرام ہے۔ لیکن اگر بھارت کی حکومت شراب نوشی کے خلاف قانون جاری کردے، تو وہ قانون اسلامی قانون نہیں بن سکتا۔ بنوعباس کے دور میں جب یہ قوانین وضع ہوئے تھے اس وقت ملوکیت جاری تھی۔ حکومت پبلک لاءز بنارہی تھی اور حکومت نے ہی اسلامی قوانین بنانے کی اجازت علماء کو دے دی تھی۔ ہمارا موجودہ فقہ ان ہی علماء کرام کا وضع کردہ ہے۔ یہ ان علماء کی ذاتی آراء تھیں جو انہوں نے وقتی مسائل حل کرنے کے لیے پیش کی تھیں نہ تو ان علماء کا مقصد ان کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھنے کا تھا اور نہ ہی یہ آئندہ ادوار کے مسائل حل کرنے کی غرض سے وضع کئے گئے تھے۔

ہمارے ہاں اجتہاد کا بھی بہت چرچا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس اجتہاد کرنے سے مسلمانوں کے قوانین میں اصلاح ہوجائے گی۔ جب کہ یہ قوانین دینی نہیں ہیں بلکہ مذہبی ہیں تو ان میں اجتہاد کیسے ہوسکتا ہے۔ اجتہاد تو اسلامی حکومت کرتی ہے۔ افراد الگ الگ اجتہاد نہیں کرتے۔ اگر ہماری مملکت اسلامی ہو، اور یہ مثلاً کشمیر کی پالیسی میں کوئی تبدیلی لائے، تو یہ اجتہاد ہوگا۔ اگر مملکت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ہندوستان سے Dialogue کرنے میں کوئی Change لاتی ہے۔ تو یہ اجتہاد ہوگا۔ ہمارے علماء کے نزدیک تو اجتہاد یہ ہے کہ روز 280 میل کی بجائے 30 میل پر قصر کرلیں۔ یا نوافل میں کمی بیشی کردیں۔ ہماری موجودہ فقہ میں معاملات اور عبادات کے قوانین الگ الگ ہوتے ہیں اور زیادہ تر قوانین پرستش سے متعلق ہوتے ہیں۔ آپ فقہ کی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ کتاب کے شروع میں ہی عبادت کا باب الگ ہوتا ہے تقریباً نصف کتاب عبادت کی رسوم سے متعلق ہوتی ہے۔ قرآنی قوانین میں یہ تفریق نہیں ہوتی۔ قرآنِ کریم کے ہر حکم کی اطاعت عبادت ہوتی ہے اور ہر عبادت حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہو (24:27) جب آپ اس حکم کے پیشِ نظر دوسروں کے گھر بغیر اجازت نہیں جاتے تو یہ آپ عبادت الٰہی کرتے ہیں۔

اب ہم مولانا کے تینوں مسائل کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں:

(1) مولانا کا پہلا مسئلہ ان کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ ''احمدی حضرات غیر مسلم ہیں یا یہ مرتد ہیں۔ یہ عام عقیدہ ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے۔'' مولانا کے اس بیان پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اس کا فیصلہ کیوں کرنا چاہتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہے۔ انہوں نے جو یہ فرمایا کہ مرتد کی سزا موت ہے تو اس سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ اگر احمدی حضرات مرتد ہیں، تو ان احمدیوں کو موت کی سزا دے دینی چاہئے دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ مولانا نے خود مرتد کی تعریف یہ کی ہے کہ مرتد وہ ہوتا ہے جو اسلام کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ مرزا غلام احمد 1908ء میں فوت ہوا تھا اس کی وفات کو ایک سو سال

سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اس موجودہ دور کے اکثر احمدی وہ ہیں جو احمدی خاندان اور احمدی کنبہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے اسلام چھوڑ کر احمدیت اختیار نہیں کی پھر یہ سوال کیسے پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلم ہیں یا مرتد۔

اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ لوگ احمدی کیوں ہوتے تھے۔ ان حضرات کے احمدی ہونے کی وجہ بھی ہمارے علماء کے خلافِ قرآن عقائد ہیں۔ مرزا نے مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمارے علماء نزول مسیح اور آمد مہدی کے قائل ہیں یہ دونوں عقیدے قرآن کے خلاف ہیں۔ ہمارے علماء خود غلط عقیدے اختیار کرتے ہیں۔ جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ آپ خود کرسیاں بچھاتے ہیں اور جب کوئی ان پر آ کر بیٹھتا ہے تو یہ اس کو جوتیاں مارتے ہیں۔ آپ نزول مسیح اور آمد مہدی کے خلافِ قرآن عقائد ترک کر دیں۔ احمدیت اور شیعیت آپ اپنی موت خود مر جائے گی۔

مولانا نے جو یہ فرمایا ہے کہ عام عقیدہ کے مطابق مرتد کی سزا موت ہے تو یہ بات انہوں نے درست فرمائی۔ موجودہ فقہ کے مطابق جس کے مولانا پابند ہیں، مرتد کی سزا موت ہی ہے۔ لیکن قرآن کریم کے نزدیک چونکہ ارتدار جرم نہیں ہے، اس لیے مرتد کی کوئی سزا نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ارتداد کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ آیات ہم نے فقہ القرآن سے لی ہیں جو مولانا عمر احمد عثمانی صاحب کی لاجواب، اور قابل ستائش تصنیف ہے۔

(1) كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا۔۔۔ الخ (3:85-86)، ترجمہ: خدا ان لوگوں کو کیونکر ہدایت کرے جو ایمان لانے، رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور ان کے لیے واضح دلائل آ جانے کے بعد کفر کریں، خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ان کا بدلا یہ ہے کہ ان پر اللہ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے۔ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی اور اُنہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ مگر وہ لوگ جو بعد ازاں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ کیونکہ خدا غفور و رحیم ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں مرتد کی سزا موت نہیں بتائی بلکہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے یہ ساری اخروی سزائیں ہیں اور ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے کہ توبہ کر لیں اور اعمال درست کر لیں تو اللہ غفور و رحیم ہے۔

(2) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (3:90)، ترجمہ: جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے پھر کفر بڑھاتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے تو اگرچہ اتنا سونا بھی کسی کی گلوخلاصی میں دیا جائے کہ زمین بھر جائے تو بھی ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا۔ یہی وہ لوگ

ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اسلام لانے کے بعد پھر کفر کیا اور اسی حالتِ کفر میں مر گئے تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں ان کے طبعی طور پر مرنے کا واضح بیان ہے اگر مرتد کو قتل کر دیا ہوتا تو نہ تو اس کے کفر میں اضافہ ہوتا، کفر میں اضافہ اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب وہ زندہ رہے۔

(3) ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا (4:137) ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کفر کیا (یعنی مرتد ہو گئے) پھر ایمان لائے اس کے بعد پھر کافر (مرتد) ہو گئے اس کے بعد پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، تو اللہ اُنہیں بخشنے والا نہیں اور نہ اُنہیں ہدایت کی راہ دکھانے والا۔

اس آیت میں تو ایک بار مرتد ہونے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ دو بار مرتد ہونے کا حوالہ ہے۔ بلکہ اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ ان کا کفر شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ ان کو بھی ارتداد کے جرم میں قتل کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہی ارشاد ہے کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

(4) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ (5:54) ترجمہ: اے ایمان والو تم میں سے جو مرتد ہو جائے تو ہو جائے اللہ ایسے لوگوں کی جگہ ان لوگوں کو لے آئے گا جن سے اللہ بھی محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں کے لیے نہایت نرم خو ہوں گے اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

اس آیت میں تو ارتداد کا لفظ تک استعمال کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مرتد ہونا چاہے ہو جائے۔ ہم ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جو مومنانہ صفات کے حامل ہوں گے۔ قتل کرنا تو درکنار یہاں تو مسلمانوں سے کہا کہ ان کی کوئی پروا نہ کرو، ہم ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئیں گے۔

آپ نے قتل مرتد کی تردید میں آیات ملاحظہ فرمائیں۔ اگر کسی صاحب کو مزید آیات درکار ہوں تو وہ ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتاب ''قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں'' ملاحظہ فرمائے وہاں ان کو اس موضوع پر مزید مواد مل جائے گا۔ بخاری شریف میں ایک حدیث آتی ہے ومن بدل دینہ فاقتلوہ، جو اپنا دین تبدیل کر دے اس کو قتل کر دو، ہمارے فقہا نے ان تمام آیات سے صرفِ نظر کر کے اس ایک روایت کی بنا پر مرتد کی سزا قتل ٹھہرائی ہے۔ لیکن یہ روایت درست نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث مہمل اور مبہم ہے۔ اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو کافر مسلمان ہو جائے اس کو بھی قتل کر دو، یا اگر کوئی یہودی، عیسائی ہو جائے تو اس کو بھی قتل کر دو۔

مولانا محترم کا دوسرا مسئلہ جزیہ کا ہے جو غیر مسلم ادا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں جزیہ کا لفظ صرف ایک مرتبہ سورۃ التوبہ

میں آیا ہے جب ارشاد ہوا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (9:29) ترجمہ: اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ تو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ خدا اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ ہی سچے دین کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں سے لڑائی کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

جب مسلمان کوئی جنگ کریں اور غیر مسلم قوم شکست کھا جائے تو اس قوم سے یہ جزیہ اس لیے لیا جاتا تھا جو اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ اس غیر مسلم قوم نے Surrender کر دیا ہے اور صٰغِرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس اسلامی مملکت کے اقتدار کو تسلیم کر لیا ہے۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (9:29) یعنی وہ (اہل کتاب) غیر مسلم مفتوح قوم یہ جزیہ تمہارے اقتدار غلبہ کو تسلیم کرنے کی وجہ سے دے رہی ہے۔

یہ جزیہ وہ قوم دیتی تھی جس کو مسلمان فتح کرتے تھے وہ مفتوح قوم بطور Token کے صرف ایک مرتبہ یہ جزیہ دیتی تھی تاکہ اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ اس نے شکست قبول کر لی ہے۔ جزیہ ادا کرنا شکست قبول کرنے کی علامت تھا۔ یہ کوئی ٹیکس نہیں تھا، معلوم ہوتا ہے کہ ملوکیت نے اس کو ٹیکس کی صورت میں منتقل کیا ہے۔ رہا پاکستان کے غیر مسلموں کا معاملہ تو ان کا جزیہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ تو اہل ذمہ معاہد ہیں۔ یہ ایک معاہدہ کی رو سے اس ملک میں رہ رہے ہیں۔

تیسرا مسئلہ مولانا کا یہ ہے کہ مسلمانوں کا کون سا فرقہ اسلام کی حدود میں ہے اور کون سا اسلام کی حدود (Ambit) سے باہر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں تو فرقہ بندی شروع سے چلی آرہی ہے اور یہ فرقہ بندی علماء کی پیدا کردہ ہے اور یہ فرقہ بندی اُنہیں Suit بھی کرتی ہے۔ یہ علماء تیرہ سو سال میں یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کونسا فرقہ درست ہے، تو مولانا اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس بات کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ بندی مذہب میں ہوتی ہے۔ دین میں فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ قرآن کی رو سے اسلام جب فرقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے تو پھر ہر فرقہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کی رو سے تو فرقہ بندی شرک ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (30:32) ترجمہ: اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے بنا لیے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (6:159) جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور وہ خود ایک گروہ ہو گئے اے رسول تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (3:103) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور فرقے نہ بنانا۔ آیت کے الفاظ واضح اور بہت (Forceful) ہیں۔ آیت کے پہلے حصہ میں یہ امر ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دوسرے حصہ میں یہی ہے کہ فرقے نہ بننے دینا۔ اس طرح آیت کا مفہوم بہت ہی (Emphatically)

بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور فرقہ نہ بنانا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرقہ بنتا ہی اس وقت ہے جب اللہ کی رسی کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جاتا ہے جب تک اللہ کی رسی ہاتھ میں رہے گی فرقہ نہیں بن سکتا۔ فرقہ صرف اس صورت میں بنتا ہے جب اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا جائے۔ ان تین آیات کریمات (3:103،30:32،6:160) سے ثابت ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق نہ قرآن سے رہتا ہے اور نہ اللہ سے اور نہ اللہ کے رسول سے۔

قرآن کریم ان قطع علائق پر ہی بس نہیں کرتا۔ وہ مزید انتباہ کرتا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (3:105) ترجمہ: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے فرقے بنا لیے اور احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے عذاب عظیم ہے۔ اس آیت میں ارشادِ عالی ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کے لیے عذاب عظیم ہے اور پھر قرآن نے خود ہی اس عذاب عظیم کی مختلف شکلوں کی نشاندہی کر دی (1) دنیاوی زندگی میں ذلت وخواری کا عذاب (20:134)۔ (2) بھوک اور خوف کا عذاب (16:112) برکاتِ سماوی وارضی کے لیے دروازوں کا بند ہو جانا (7:96)، گروہ بندی اور پارٹی بازی کا عذاب (6:65)، باہمی اختلاف عذاب ہے (3:104) اختلاف کا دور ہونا رحمت ہے (11:118)، یہ عذاب خداوندی کی چند شکلیں ہیں۔

اس کونسل کی حیثیت صرف Advisory ہے۔ اس کا فیصلہ Binding نہیں ہے بہر حال اس کونسل کے آئندہ کے اجلاس کا انتظار کریں گے کہ حضرت مولانا صاحب ان مسائل کو کس طرح حل کرتے ہیں۔

طلوع اسلام میں اشتہارات کے نئے ریٹس

جنوری 2016 سے طلوع اسلام میں چھپنے والے اشتہارات کے نئے ریٹ درجِ ذیل ہیں۔

ٹائٹل صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
بیک ٹائٹل بیرونی (چار رنگہ آرٹ پیپر)	-/6,000 روپے	-/60,000 روپے
اندرونی ٹائٹل (ایک رنگہ آرٹ پیپر)	-/4,000 روپے	-/40,000 روپے
اندرونی ٹائٹل (چار رنگہ آرٹ پیپر)	-/5,000 روپے	-/50,000 روپے

اندرونی صفحات

مکمل صفحہ (یک رنگہ)	-/3000 روپے	-/30,000 روپے
نصف صفحہ (یک رنگہ)	-/1500 روپے	-/15,000 روپے
اشتہار ضرورتِ رشتہ (چوتھائی صفحہ، یک رنگہ)	-/2,000 روپے	

Surah *Al-Takwir* (التکویر) – *Durus-al-Qur'an Parah 30*: Chapter 13

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is August 10, 1984 and today's lecture starts with verse 13 of Surah *Al-Takwir* (التکویر).

The essence of Quran's teaching

My dear friends, if I were to put in a few words the essence of Quran's teaching – which becomes highly focused towards its end but especially in this Surah *Al-Takwir* (التکویر) – then I would present this verse of the Quran: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (9:33) – The system that Allah gave to humanity as a code of life – called *Al-Deen* (الدین) by the Quran – *will*, ultimately, prevail over all other systems of life designed and developed by human minds. This is a huge claim of the Quran. And this is an enormous challenge thrown by the Quran to all of humanity for all time to come: That its *Deen is* bound to prevail no matter what. The first thing to note as proof of this is that it *did* happen; that *this Deen*, during the period of the Prophet (PBUH), in its very first period, *did* prevail over all the other life-systems of the time. History bears testimony to this. But then shortly after that *Malukiyyah* – defined as rule of humans over humans, no matter the form – took over the reins of power. The details of how this happened are long and many factors played into this takeover. But in a nutshell three key factors played critical role in this: (i) the rule of dictatorship – the worst form of *Malukiyyah*, (ii) the web of religious priesthood, and (iii) the trap of capitalist system. All these three forces of evil were eliminated by the Quran during the first period of Islam normally referred to as the period of the rightly-guided caliphs. But then the *Malukiyyah* took over and brought along with it the other twin forces of evil – the religious priesthood and capitalism. And thus the humanitarian revolution that the Quran had brought about was pushed out. But it never disappeared. Instead, it started working on its own by a process of slow progressive evolution.

Reflection on Quranic revolution

My dear friends, after the first period of the Quranic revolution that occurred at the hands of the Prophet (PBUH) and companions, this system of *Deen* went back to operating on its own by a process of slow progressive evolution, in which humans try different life-systems by a trial-and-error

process abandoning old systems and implementing new ones where each new system inches towards the Quran's system. By this long trial-and-error process the same Quranic system *will* prevail ultimately that had prevailed during the period of the Prophet (PBUH) and the rightly-guided caliphs. This is the claim of the Quran, which is bound to happen. The last parts of the Quran provide explicit signs of that happening, and now that these signs have started appearing it seems to me that the same Quranic system will get established by this process of progressive evolution especially if we see the signs in the light of this Surah that we are discussing now. This Surah *Al-Takwir* provides many of its signs that happened at the time of the Prophet (PBUH) and also provides many signs that will happen through the process of progressive evolution for the Quran's system to prevail. The signs at the time of the Prophet (PBUH) were: that Iranian empire will be wiped out; that the power of the Arab *Jahiliyyah* will disappear; that satellite nations surrounding Arabia will be gone. These signs did happen and the Quranic system did prevail over all other systems at that time. The new signs that are appearing now indicate that the Quran's system will prevail again through evolution. These signs are: the primitive tribes will get together and try to form their own nations; the world will be linked and the means of communications will become fast and global and commonplace; newspapers, magazines, books, etc. will become global; and the curtains on celestial objects will be lifted. The Quran has told that all these are signs that its systems will soon prevail.

Two important social aspects of the Quranic period

My dear friends, the Quran mentions that after all the above developments have taken place a period of universal justice will come about where the results of everyone's actions will appear in front of him. This system of justice would be such that no criminal would remain unpunished for his crime; and everyone would receive the result of one's good deeds. The Quran says that this universal system of justice *will* get established, no matter what. But there is a reason I have repeated these things that we covered last time. All of the above signs mentioned by the Quran will happen towards the period before its *Deen* – its code of life – prevails over all other systems of life; and establishes its heavenly universal social system for all of humanity. Most of these signs have already appeared and some have started appearing, but there is one very important sign that is described next by the Quran: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۙ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ (81:8-9) – and when the girl-child that was buried alive is made to ask for what

crime she had been slain. In that period the female – who was buried alive by men – will be given new life, and will be asked to level charges against those who had done this to her. This is extremely important. Among the different signs the Quran has stressed this one is especially important for eventually establishing its system once again. In the history of humankind this aspect is particularly significant.

The result of putting chains in the feet of fellow-travelers

My dear friends, it goes without saying that any traveler who chains the feet of his fellow travelers then he himself would not be able to travel at his own speed. His speed will get reduced quite a bit even though his feet are not chained. What men did to woman generally – and what we Muslim men did to our woman especially – is to put chains on her feet. But this resulted in slowing down the speed of the progress of entire humanity. And, as a consequence, Muslims fell behind the ranks of other nations of the world. The Quran has said that a period will come when those who were buried alive will rise up and file a complaint and a commission of enquiry will be setup; and then the woman will be asked: what did the man to do you? This will happen because justice *will* be done to her; and her right place in humanity will be restored to her. The Quran has presented this scenario of a period where woman would be granted her full rights and she will occupy her rightful place in humanity – of equal dignity with man. This will be done because the Quran is a code of life granting dignity to all humankind. Half of this humankind consists of woman. If half of humanity is kept out and remains largely inactive then the system of this world will not be able to function correctly.

An oncoming grand revolution at the hands of woman

My dear friends, the Quran establishes a universal system. Do you notice what a great thing the Quran has said here: that for its system to be universal it is essential that both man and woman are equal participants in its process. That is the reason the signs the Quran has mentioned (in its last two parts) now indicate that its universal system for a just society is approaching – that among these signs is that woman who could not even dare to speak few decades ago will rise up and will compile a list of crimes committed by man against her so that justice could be served by its *Deen*, the code of life established on the basis of universal principles of the Quran, a unified system for all of humanity. This is the *key* point I want to make. The Quran calls a society based on a system devised by humans as hell. On the other hand, it calls a society based on its

universal permanent values as heaven. Let me repeat once again which I always keep on repeating: we all believe in the heaven and hell of the Hereafter. But the Quran does not limit them only to the Hereafter. The Quran has also mentioned of the hell here, the Hell of this world as well, which we are all familiar – in fact we are living in it. And, the Quran has also presented the picture of heavenly life on earth and it tells that when its system of justice gets established then this world will turn into heaven – and people will taste the heavenly life here, in this world itself.

Establishing Quran's order results in heavenly society on Earth

My dear friends, it is this life about which the Quran says: وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (81:13) – and when paradise is brought into view. This is the special point that I want to elaborate further. We have discussed about hell in many lectures. It is easy to understand hell because we are experiencing it all the time. Hell is surrounding us from all sides today. Hell is seeing us, only we cannot see it. When our mental eyes will open up then hell will appear in front of us and we will be able to see it then. But here, in this verse (81:13) it is said that heaven will be brought near you. What to say my friends! If this was the heaven of the Hereafter then it is something that will happen after death. The question of bringing it near to us then does not arise. But, in this verse it is said that it will be brought to you, here, in this world. This is a unique thing. Wherever we may be, but if we implement the Quran as a code of life then the heaven will be brought to us there. There are few more places where this has been mentioned in the Quran. Regarding the vastness of heaven, the Quran has said that it is spread out across the cosmos and the Earth. That means, it is not limited to a place. What we call heaven is an attribute of society; it is the state of society. A state of heaven will exist wherever a Quranic society is established. What a beautiful way to say that heaven will be brought to you! At one place in the Quran it is said: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (89:22) – And your Sustainer and angels will come to you rank upon rank. This is something worth deep pondering. This is not a subject of a lecture but it is a topic of serious study as it is an extremely important verse. But we can present the meaning of this verse (89:22) in a nutshell: that wherever the Quranic system will be established the Sustainer and angels will come to you. As I said I am simply presenting the meaning of this verse (89:22). This is not a place to get into finer details because:

There are critical thinkers in gathering; but there are spectators as well!

Discussion about Quranic understanding in my last meeting with Allama Iqbal

My dear friends, in my last meeting with Allama Iqbal I asked him about this verse: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (89:22). I asked him that you have presented heaven as a drama in your book *Javid Namah*, but the Quran is saying that this will happen on Earth in this verse (89:22). After hearing this he became ecstatic and said in his own unique style: what this verse is saying is that *this* is the Quranic system of sustenance in which heavenly values and the forces of nature – whom the Quran calls ملائکہ (*Malaaikah*) – will combine together in a symbiotic relationship to produce heaven. When these two forces remain disconnected then hell is produced.

The sorry state of East and West

My dear friends, if the forces of nature are not concurred, or if they are concurred but not kept within the limits of permanent values of the Quran, then a Hell is produced in which the entire world is engulfed, which is the case now. When the support of the forces of nature is not there and it is thought that the guidance of Allah is being followed then that will be mysticism or religion which makes humans totally worthless. This is the case with us. We are imprisoned because we have not conquered the forces of nature. But those who have conquered the forces of nature, they are imprisoned as well – by the very forces they have conquered – because they have left these forces completely uncontrolled. We are being punished because we did not conquer the forces of nature and we became subservient to those who have. We are idol worshippers. Our idols are those who have conquered the forces of nature. Whom we call idol-worshippers, they do the same thing: they worship cloud god, they worship fire goddess, etc. We have also bowed down in idol worship – but to those who have conquered the forces of nature because we have not.

Permanent values combine with forces of nature to produce the Islamic State

My dear friends, when permanent values and the forces of nature combine together in a symbiotic relationship then they produce the system that the Quran wants to establish. For this it says: وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (81:13) – and when paradise is brought into view. Then it says: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (89:22) – the Sustainer and angels will come to you rank upon rank; and the system of universal justice will be established where heaven will be brought to you.

What great place believers (*Momineen*) occupy that instead of they going to heaven, the heaven itself comes to them! What a wonderful couplet someone has said:

Enough for me is whatever from your lovely cup O Master!
That which comes by the pull of its own longing O Master!

Heaven will come to *Momineen* and it will come to them by the pull of their deep conviction in Quran's values and their extraordinary passion for implementing these values in human society. Then the Quran goes on to say regarding such a society: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ (81:14) – [on that Day] every human being will come to know what he has prepared [for himself]. [Asad]. Whatever one has done will find its result in front of him. This is the system of real justice in which, what to say of actions, even the intentions hidden deep within the heart will produce their own perceptible results – because, in reality, it is the intentions that lay the foundation for human actions. This will be the kind of society that will come rushing towards *Momineen*.

Quran's unique style to prove the truth of its claim

My dear friends, if you remember, one of the styles of the Quran is to provide proof of the truth of its claim from history. It does this by providing the history of past nations. It delineates the reasons for their rise; for their decline; for their fall; and for their eventual death. The Quran shows that if a nation followed its principles then it enjoyed heavenly life of bliss and tranquility; and that if a nation violated its laws then it fell into the pit of hellfire. These real life stories of nations' rise (when they followed its laws) and destruction (when they violated its laws) are presented throughout the Quran as proof of its claim. If a nation's laws work in harmony with the nature's laws then its society functions in harmony and tranquility just as the external Universe is working in perfect harmony and tranquility. The Universe is working according to laws. It is not working by chance or by luck. Every aspect of it is working according to a fixed law. What is called conquering the forces of nature is nothing but gaining the knowledge for discovering these laws of nature. The other style of the Quran to provide proof of its claim is to attract our attention to the laws of nature. It says: look at the laws in the natural world and learn how they govern the Universe? This will provide you with insight of how to govern your own human world.

Now, here, the thing to note is that after the first shining period of Islam the

world turned into darkness of *Baatil* (falsehood) systems; and, then one can notice how slowly but surely this darkness is disappearing now. And finally the light of morning will show up; and once again the shining period will return. The Quran presents both the systems – the system of باطل (*Baatil* or falsehood) which it calls darkness versus the system of حق (*Haq* or truth) which it calls light. It says that it is okay that the sunshine of the day gives way to the darkness of the night after the sunset. But it also says that this darkness is not permanent. The darkness starts falling slowly and when dawn comes then it disappears completely; and then light appears. Allah says in the Quran that this happens through His laws of nature and in the same way through His laws the human darkness that appeared after the first shining period of Islam will slowly fall, until, again, the shine of the system of truth, the shine of the *Deen*, will return. The Quran is quite emphatic about it that this *will* happen.

The Quran has both the subtle taste of poetry and the hard logic of philosophy

My dear friends, as I have often said the presentation style of the Quran is unique. The Arab and non-Arab experts of literature and poetry when they reach such verses then they become completely rapturous. To present its claims the Quran combines deep abstract truths with such extraordinary melody and rhythm of poetry, that literary experts do not know what to call its style. Please remember that great poetry is full of merely pure literary taste and subtleties of metaphors and similes, but it has no realities or abstract truths. On the other hand, abstract truths and realities are generally presented via philosophy, an extremely dry subject. The Quran, on the other hand, has combined the abstract truths of reality as well as subtle beauty of poetry in its presentation that no one has been able to emulate so far. Now, see how the Quran uses it unique style in the following verses to explain how the darkness that appeared after the first shining period of Islam will slowly fall until, again, the shine of the system of truth, the shine of the *Deen*, will return. If you read these verses loudly even without understanding them, you will experience the rhythm and the melody just in the vocal sound itself. Please try and experience its rhythm and ecstasy yourself:

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ (81:15-18) – BUT NAY! I call to witness the revolving stars, the planets that run their course and set, and the night as it darkly falls, and the morn as it softly breathes [Asad].

Scholars and the witness of stars

My dear friends, if you remember, this topic has come before in Surah النجم (*Al-Najm*) where it is said: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (53:1) – By the Star when it goes down [Yusuf Ali]. Again, in Surah الواقعہ (*Al-Waqiah*) it is mentioned: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ (56:75-76) – Furthermore I call to witness the setting of the stars. And that is indeed a mighty adjuration if ye but knew [Yusuf Ali]. What to say my friends about such a mighty, irrefutable, and perceptible witness from the world of nature! If you ponder on this witness of the Quran then you would realize that what extraordinary evidence is this!? All this evidence is being presented for what purpose? The purpose is to prove: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ (56:77-78) – That this is indeed a Qur'an Most Honorable, in Book well-guarded. And: لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۙ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (56:79-80) – which none but the pure [of heart] can touch: a revelation from the Sustainer of all the worlds![Asad]. For proof of this, stars are presented as witness: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (56:75) – Furthermore I call to witness the setting of the stars. When these verses came in our past lectures my friends, I had explained them metaphorically in great detail; and I had mentioned then that only astronomers would appreciate what the Quran has alluded to here. I had mentioned also that when these astronomers see these verses then they become speechless and are left in awe; and start wondering that how could, 1400 years ago, an Arab – where there was no trace of any knowledge, let alone astronomy which, at the time didn't exist anywhere in the world – could say these things about stars and celestial objects!

Two types of stars

My dear friends, 1400 years ago the Quran says: فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ (81:15-16) – The Quran talks about two kinds of stars here as witnesses for the truth of its message. One type is of those stars that rise from a particular place and shine, and slowly move and go back, and set in at their regular place. The other type is of those stars that shoot all of a sudden in the sky and disappear like a gazelles which appear all of sudden in view and – romp around and disappear behind the bushes. This is called كُنَّس (*Kunnas*) in Arabic. The Quran presents these two types of stars as witnesses for its claim: وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ (81:17-18) – and the night as it darkly falls, and the morn as it softly breathes [Asad].

The Quran's miracle in selection of its words

My dear friends, please look at the miracle of the Quran in selection of its words? Here it has chosen the word عَسْعَس (*As-as*). Even the vocal auditory level of this word indicates slow and soft whisper. This sound is produced when someone comes gently hissing; someone deliberately and silently comes in trying to avoid making any noise. This is because Arabs used to embed tones of sound also in meaning of words. Take for example the word عَسْعَس (*As-as*): there are two things in this word which highlight its meaning just as its syllables repeat itself. Something or someone deliberately and silently moves forward trying to avoid making any noise, and then after reaching a point moves backward very silently, then moves forward and then backward; and then what happens: وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (81:18) – And the Dawn as it breathes away the darkness [Yusuf Ali]. And then the morning brings forth a message of new life. Here the Quran has selected the word تَنَفَّسَ (*Tanaffas*). My dear friends, wherefrom can I bring words that would express the Quran's subtle tone and greatness of the meaning here?—stars rising, then setting, then bringing forward and backward stealthily the cover of darkness, then at a point in its backward flight the darkness gives way to the shine of dawn: وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (81:18) – And the Dawn as it breathes away the darkness [Yusuf Ali]. What to say of this word تَنَفَّسَ (*Tanaffas*), my friends, – which means the appearance of morning as harbinger of new life.

The Quran never lets humans become disheartened

My dear friends, the Quran's similes are so beautiful and its metaphors so subtle that our poets have benefited tremendously from them. Our poetical literature is full this metaphor – of darkness of night and brightness of morning. The Quran does not let one get disappointed in any condition. The Quran's message provides ray of hope even during extremely sad and hopeless moments. The poet Aasi says:

Don't be sad because of sunset; this is a portent of a new morn!

Another poet says:

My dark sad night is passing with hope and firm conviction;
That where the stars had left my company, dawn will happen!

This is the same thing what the Quran has said above. But the style of the Quran is unique and beyond emulation? Allama Iqbal, however, had a deep insight in the Quran, and also, Nature had given him the extraordinary ability to create subtle qualities using metaphors and similes in his poems. For

example:

The sky shall, with the shine of dawn, be covered ultimately;

The night's darkness will fade away and vanish completely!

Do you see how Iqbal's verses parallel the Quranic verses? Iqbal continues:

How soul inspiring will, the melody of the spring breeze, be? That flower bud's hidden fragrance will acquire the melody!

The night will, by Sun's appearance, disappear eventually!

The world will, with the song of Tauhid be filled, ultimately!

This is what the Quran is saying here: وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ (81:18) – And the Dawn as it breathes away the darkness [Yusuf Ali]. The morning comes and breathes new life in everything. The Quran brings here the metaphor of breath for the advent of morning. This can only be felt my friends! To taste this elixir, you need to drink it. It cannot be expressed in words. The creator Almighty Allah says in the Quran that We are presenting natural phenomena as witness in support of Our message: اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍۙ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍؕ (81:19-21) – Verily this is the word of a most honorable Messenger; Endued with Power, with rank before the Lord of the Throne; With authority there, (and) faithful to his trust [Yusuf Ali].

Prophet's (PBUH) words as a messenger

My dear friends, the Quran is proclaiming here that what Allah's messenger was saying about natural phenomena were not his own words; but that the message was given by Allah and then he conveyed it exactly, as is, to the people. The words of course came out of the mouth of the messenger but these words were not his own but Allah's. He was simply a completely truthful and trustworthy and honorable conveyer of the words of Allah's revelation; and he did this without any change or modification or any addition from his own side. These words did come out of course from the tongue of the person named Muhammad Ibn Abdullah but these words were not the creation of his thoughts. These two things are absolutely made clear here: (i) he was 100% trustworthy messenger who delivered the message of revelation given to him by Allah exactly as it was given to him word by word and exactly in the order as given and (ii) the words were *not* the creation of his thoughts. The Quran made it clear therefore that the messenger (PBUH) was honorable. And

furthermore the Quran goes on to say: ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ (81:20) – with strength endowed, secure with Him who in almightiness is enthroned. وحی (*Wahi*) or revelation also means روح (*Rooh*) or power according to the Quran: وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (17:85) – And they will ask thee about the nature of divine inspiration (revelation). Say: "This inspiration comes at my Sustainer's behest; and you cannot understand its nature, O humankind, since you have been granted very little of *real* knowledge." The real knowledge is revelation; it is power.

Knowledge of laws has huge power

My dear friends, when the Quran says about messengers – and especially about Jesus – that Allah gave them power then it means that they were given the power of law. The "lock of words" – the lock of Allah's laws – has enormous power. Those who unlock the knowledge (of this power) and those who don't – you can very well imagine the difference in their power levels. How much is the difference in the power of those who have acquired the knowledge of the laws governing the planets and stars and us, the Muslims? It is so obvious that I don't have to mention it. You can see that for yourself everywhere today. My dear friends, nature bestows tremendous power on those who are able to unlock the knowledge of its laws. They can achieve whatever they want using that knowledge. Whatever new things the West has been able to create is because it has acquired the knowledge of the laws of nature. They are not inventing new laws but are only discovering the existing laws. The more humans will start discovering these laws the more their power will grow. That is why the Quran has given so much importance to conquering these laws.

The Prophet (PBUH) was given knowledge about laws of nature through revelation

My dear friends, the prophet received power from revelation. The messenger acquired knowledge about the laws of nature from revelation which, then, he conveyed it to other human beings. Among humans those who become knowledgeable about these laws are able to acquire power as well. This is: ذِیْ قُوَّۃٍ (81:20) – with strength endowed. After this the question arises: From whom this power is received? The answer: عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ (81:20) – secure with Him who in almightiness is enthroned. This is not personal power of the Prophet (PBUH). At a personal level, in fact, he is but a human being like anyone else: قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (41:6) – Say thou, [O Prophet:] "I am but a mortal

like you." This power therefore that the messenger has received is from that Almighty Creator Allah who is in-charge and control of His creation: ذِی قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ (81:20) – secure with Him who in almightiness is enthroned. The central control of the laws working in His entire creation is in His Hands – and it is He who endows power to His messenger. It is *He* who gives His laws (revelation) to the Prophet (PBUH). It is *this* power that is available to the Messenger.

The place of Prophet (PBUH) in the eyes of the sect Ahl-e-Quran

My dear friends, earlier it was said: اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿ؕ۲۱﴾ (81:19-21) – Verily this is the word of a most honorable Messenger; Endued with Power, with rank before the Lord of the Throne; With authority there, (and) faithful to his trust [Yusuf Ali]. But this discussion had come in our lectures earlier and, in our period especially, it has raised its ugly head again that some people say that the messenger was just a postman; that he was just a deliverer of letter and nothing else, may Allah protect! I felt very sad, and you did too; that this was being said from that group which calls itself the *Ahl-e-Quran* or people of Quran. How sad that this group claims to be linked with the Quran and it thinks that the Prophet (PBUH) was a mere postman – May Allah protect us! I have been giving this message for fifty years – that the position of the Prophet (PBUH) is very high and he is especially selected by Allah and that the Prophet himself had no hand in this selection process; and that he just didn't deliver the message but that he was charged also to establish a system based on that message.

The duty of the Prophet (PBUH) is to establish a system based on Allah's revelation

My dear friends, it was the duty of the Prophet (PBUH) not just to convey the revelation that he received from Allah to others but also to establish a system based on that revelation. He fulfilled this duty as messenger and it became incumbent on his followers to obey the system that he established. This obedience of that system then, in fact, became the obedience of Allah. That system was established by the messenger based on the code of law of the revelation that he received from Allah. When the Prophet (PBUH) was urged to decide public matters according to the Quran then it was to be decided through this system that was established on the basis of the Quran. Thus the Prophet (PBUH) became the first central authority of this system – deciding

matters according to the Quran. It was not the case – as it happens in religion – where everyone or every sect does obedience on its own. This was not the case. This was a collective system in which the obedience to Allah was done through the system established on the basis of His book – and *everyone* did the *same* obedience in the *same* way. For this, a party was formed; a collective system was developed; a state was established whose constitution was the Quran whose obedience was then became the obedience of Allah and the obedience of the Prophet (PBUH). *This* was the system of Allah that the Prophet (PBUH) established. The Quran has said that *this* system will not end with the Prophet (PBUH) but *will* continue after him. There is a shining hadith of the Prophet (PBUH) that: it is incumbent on you to follow my Sunnah and after me to follow the Sunnah of the rightly-guided caliphs. That is, those who will follow my way their obedience will also be incumbent upon you. This obedience will, in fact, be the obedience of the system that is established on the foundation of the Quran. The Prophet (PBUH) established the first such system. Then it continued with the rightly-guided *Khalifas*. But it is a painful lesson of history that this system stopped at a certain point. But it didn't end there. It can be resurrected once again. And whenever this system is established again – whatever its name – it will be the same thing that the Prophet (PBUH) said that after me whoever establishes this system it will be incumbent upon you to obey them. A system or government which runs continuously the obedience of it is incumbent on everyone – no matter how long it runs, no matter what its style, and no matter how its subsidiary laws keep changing and no matter those in authority keep changing – but this government's obedience is continued to be done. The obedience of the divine system was to be continued this way continuously which would be called the obedience of the *Deen*. From this point of view the messenger was not just the conveyer of the message of Allah but his duty was also to establish the system according to that message; and it is this system whose obedience becomes incumbent on all including the messenger. This obedience then is really the obedience of Allah. And the messenger was the trustee or امین (*Ameen*) of this system, and after him his followers are supposed to be the امین (*Ameen*) of this system.

Two attributes of the Quranic system: Peace (امن -*Amn*) and Trust (امانت -*Amaanat*)

My dear friends, you know that in this single word trustee or امین (*Ameen*) both Peace (امن -*Amn*) and Trust (امانت -*Amaanat*) are included. And a believer

or *Momin* (مومن) is one who provides peace. The root of all these words is: م - ن - ا –meaning peace. If you keep your secrest with someone trustworthy or امین (*Ameen*) then you feel peaceful and relaxed. This system that is established in the name of Allah by the hands of *Momineen* (مومنین) will provide peace and security to all and it will be the trustee or امین (*Ameen*) of their trust in the system. That is why the Prophet Muhammad (PBUH) was called trustworthy messenger or امین (*Ameen*).

The advice of the Messenger (PBUH) – Think

The next verse is: وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ (81:22) – For, this fellow-man of yours is not a madman [Asad]. This word مَجْنُونٍ (*Majnun* or mad) – by which the Prophet's opponent used to address him – has come at other places in the Quran where the Prophet (PBUH) was instructed to tell them that I do not want to engage in long discussions with you. I want to tell you just one thing. Naturally, people would be psychologically prepared to listen to it as they would think that he is going to say just one thing. But the Prophet (PBUH) said that it is something that cannot be told on the fly. For this you would have to stop: if not all of you then one at a time or two at a time. Do you see how psychologically they were being prepared for this one thing that the Prophet (PBUH) was going to say? This is a unique way for preparing people psychologically for the thing that was going to be presented to them. After this the Prophet (PBUH) said: ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا (34:46) – then think; reflect; and ponder. They were told this in just one word "تَتَفَكَّرُوا" (*Tatafakkaru*) – *Think* – think objectively, think independently, think creatively. The whole secret is embedded in this one word "think." If you start thinking then you will reach the conclusion that: وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ (81:22) – the messenger is not a madman. What a way to convey this message! That if you started thinking then you will yourself reach the conclusion that this message is not from a madman. That stars, the planets, and the appearance of light as a fresh breath at dawn after the darkness of night – all these are evidence that the messenger is not a madman. *Allahu Akabr!*

The place of Prophet (PBUH) and his duty

My dear friends, I presented in great detail the importance and elevated place of the Prophet (PBUH) when we discussed sometime back Surah 53 النجم (*Al-Najm*). I have written a pamphlet on this topic entitled "*Maqaam-e-Muhammadi*" or *Place of Muhammad* (PBUH) – which is basically an expose of Surah النجم (*Al-Najm*). Here in this verse (81:23), the Quran is emphasizing it

again: وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ (81:23) – And without doubt he saw him in the clear horizon. Where did he find himself after receiving the revelation from Allah? What was his place? Where was his place? Think about it? This verse refers to his place as: اُفُقِ الۡمُبِيۡنِ "clear horizon" – where the sky and the earth seem to meet; and metaphorically it means both vast and elevated position. The higher and higher one goes in sky one's vision keeps on expanding. This is what the knowledge of revelation bestows. The knowledge of revelation is at the apex of human knowledge. This is why the Prophet (PBUH) found himself at the apex of human knowledge by receiving وحی (*Wahi* or revelation) from Allah. He was at اُفُقِ الۡمُبِيۡنِ "clear horizon" – completely clear horizon that had no dust storms or clouds that could impede vision. It was clear; and it exposed everything clearly in its true state. In Surah النجم (*Al-Najm*) it is mentioned that the Prophet's eye did not blink; that he remained completely steady and focused on his mission. The Quran then says: وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ (81:24) – and he is not one to begrudge others the knowledge [of whatever has been revealed to him] out of that which is beyond the reach of human Perception. [Asad].

My dear friends, these are great things. Prophet-hood is the act of receiving revelation from Allah. وحی (*Wahi* or revelation) is in a crystal clear form. And the obligation of a prophet after receiving the revelation is to convey the message of revelation to other human beings. This is such an important duty that the Prophet (PBUH) was told: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ (5:67) – O Prophet! Announce all that has been bestowed from on high upon thee by thy Sustainer: for unless thou doest it fully, thou wilt not have delivered His message [at all] [Asad]. This is very basic thing about Prophet-hood and must always be kept in mind that the Prophet who receives the revelation must convey it to others; otherwise he would have failed in his duty.

The reality of mysticism and its claim of receiving message from God

My dear friends, we all have to believe in prophet-hood. But Allah ended this with Prophet Muhammad (PBUH). A prophet was chosen by Allah. It was purely Allah's decision and the human being who was selected to be a prophet had had nothing to do whatsoever in this decision. But the mystics claim that they receive inspiration directly from Allah. They call this کشف (*Kashf*) or الہام (*Ilham*) – that is, they claim to get knowledge directly from Allah. They may use different words for this but it is the same thing as the case with the Prophet. But Allah has ended the Prophet-hood. So, by its claim mysticism opened this

my pharynx (throat) would be cut (i.e. killed). It is interesting to note that majority of hadith narrations are from Abu Hurairah. The second vessel of knowledge that he received from the Prophet (PBUH) he kept it hidden. Where did this hidden knowledge go? Well, it went to the Sufis. What can we say my friends about this!? And this is the Prophet (PBUH) about whom the Quran says: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ (5:67) – O Prophet! Announce all that has been bestowed from on high upon thee by thy Sustainer: for unless thou doest it fully, thou wilt not have delivered His message [at all]. [Asad]. This message that is given to you must be conveyed to all human beings: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (12:104, 38:87, 81:27) – This message is no less than a reminder to all mankind [Asad]. This is declaration of the Quran. But our respected Sufis tell us that this is only the half of it. The other half is with us, and which is not given to anyone except through heart to heart from one Sufi to another Sufi. And the Sufis call this *hidden* knowledge as the *real* knowledge. The Sufis say that the useless chewed-up knowledge, the dry-knowledge was given to the common *Ummah* and the real essence of knowledge was kept hidden in us; and it is only transmitted through hidden means! Compare this with what the Quran says: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (81:24) – and he is not one to begrudge others the knowledge [of whatever has been revealed to him] out of that which is beyond the reach of human Perception. This is the revelation of Allah that the Prophet (PBUH) received who did not withhold any of it. He delivered every word of the message exactly as it was given to him to the entire humankind with complete magnanimity in the form of the Quran. And this revelation, this Quran *is going to* prevail for everyone to *see* no matter what the Sufis say.

My dear friends, the time is over for today's lecture. Only five verses remain that are quite important which we will take up in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.68
ISSUE
12

Monthly **TOLU-E-ISLAM**

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
web:www.toluislam.com

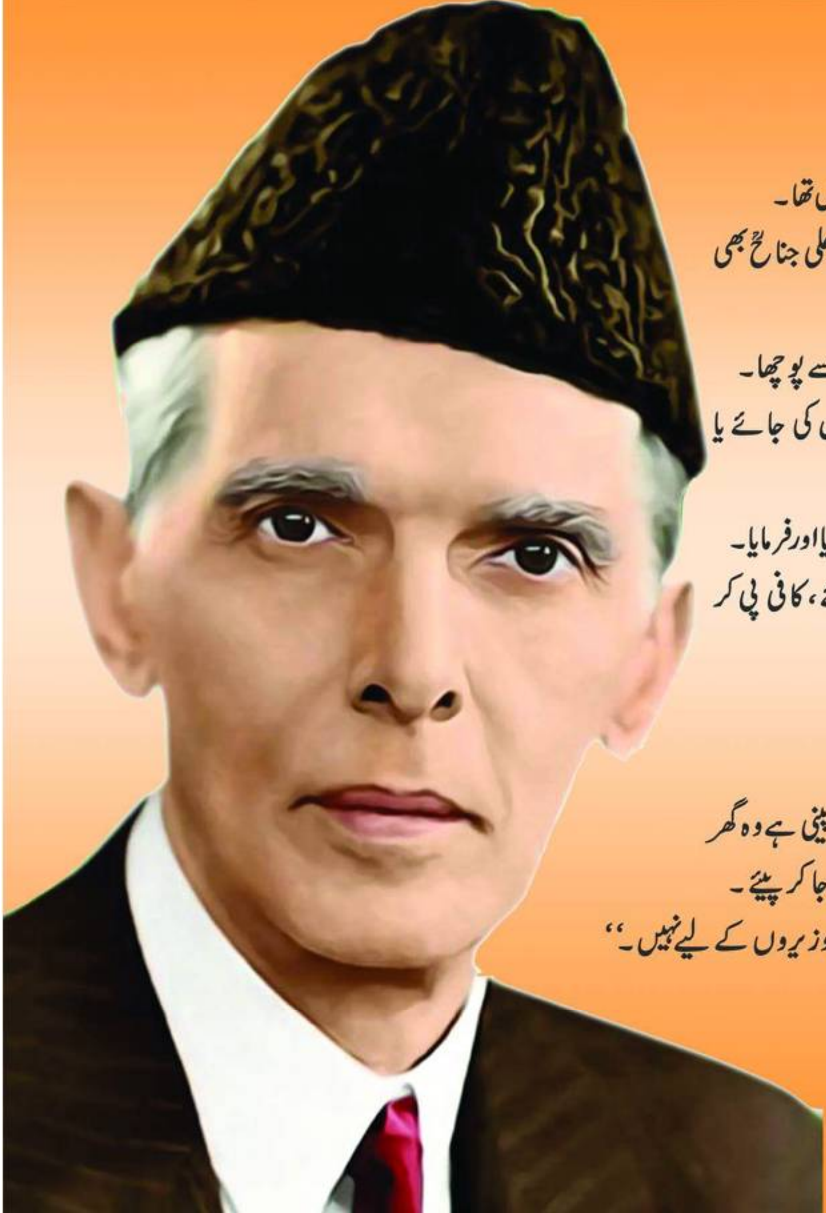

پاکستان کی پہلی کابینہ کا اجلاس تھا۔
اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی
موجود تھے۔
اے ڈی سی نے قائداعظمؒ سے پوچھا۔
''سر اجلاس میں چائے پیش کی جائے یا
کافی؟''
قائداعظمؒ نے چونک کر سر اٹھایا اور فرمایا۔
''یہ لوگ گھروں سے چائے، کافی پی کر
نہیں آئے؟''
اے ڈی سی گھبرا گیا۔
قائداعظمؒ نے فرمایا۔
''جس وزیر نے چائے کافی پینی ہے وہ گھر
سے پی کے آئے یا گھر واپس جا کر پیئے۔
قوم کا پیسہ قوم کے لیے ہے وزیروں کے لیے نہیں۔''